جنت میں روزہ داروں کا مقام

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اِنَّ فِی الْجَنَّةِ بَابًا یُقَالُ لَهُ الرَّیَّانُ، یَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَیْرُهُمْ یُقَالُ اَیْنَ الصَّائِمُوْنَ؟ فَیَقُوْمُوْنَ لَا یَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَیْرُهُمْ فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ یَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ﴾ [بخاری: ۱۸۹۶]

''جنت کا ایک دروازہ ہے جسے ریان کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اس دروازے سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے، ان کے سوا اور کوئی اس میں سے داخل نہیں ہوگا۔ پکارا جائے گا کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان کے علاوہ اور کوئی بھی جنت میں جانے نہ پائے گا۔ جب یہ لوگ اندر چلے جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر اس سے کوئی اندر نہیں جا سکے گا۔''

[انتخاب: ابو عمار عبد الرحمٰن بلتستانی]

اچھی سیرت سے دین کی اشاعت

اسلام کی دعوت دینے والوں کی اچھی سیرت اچھے کام اور اچھی باتیں اشاعت دین کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہیں، لوگ انھیں اسلام کے معانی سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں، صرف گفتگو کے مقابل داعی کے اچھے کاموں سے لوگوں کا تاثر زیادہ اور قوی ہوتا ہے۔

اور یہ واقعہ ہے کہ ساری دنیا میں اور دنیا کی ہر قوم میں دین اسلام اچھی سیرت و کردار کے ذریعہ زیادہ مقبول ہوا ہے، دنیا کے بے شمار ملکوں میں مسلمان تاجروں کے بہتر اعمال و اخلاق سے وہاں کے مقامی لوگوں میں اسلام کی اشاعت ہوئی ہے۔ خود ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ سیرت و کردار کے نہایت اعلیٰ نمونہ تھے، کتنے لوگ آپ کا چہرۂ مبارک دیکھ کر بے ساختہ کہہ دیتے تھے کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا، غارِ حراء میں جبریل امین سے ملاقات اور اوّلین نزول وحی قرآن کے بعد آپ ﷺ پر جو گھبراہٹ طاری ہوئی کہ آپ نے جان جانے کا خوف ظاہر کیا، اس موقع پر مومنوں کی ماں خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کو سچا مانا، آپ پر ایمان لائیں اور دعوت دین کی راہ میں تعاون کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں لگا دیں، اس موقع پر انھوں نے نبی ﷺ کی سیرت طیبہ کا حوالہ دیا اور کہا آپ تو خونی رشتے جوڑتے، یتیموں، بیواؤں کی خدمت کرتے، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہرگز آپ کو ضائع نہیں کرے گا۔

اچھی سیرت کے لیے دو باتیں بنیادی ہیں: ① اچھے اخلاق و عادات، ② بات اور کام میں یک رنگی۔ کسی داعی میں یہ دو خوبیاں پیدا ہو جائیں تو اس کی سیرت بے شبہ اچھی سیرت کہی جائے گی، جو اسلام کی خاموش داعی ہوگی اور اگر کوئی داعی ان دونوں خوبیوں سے خالی ہو تو اس کی سیرت بری سیرت کہلائے گی اور خاموشی لوگوں کو اسلام سے دور کرے گی۔ لہٰذا داعی کو اللہ سے ڈرنا چاہیے کہ زبان سے وہ جس اسلام کی دعوت دے رہا ہے، اپنی بری سیرت سے وہ لوگوں کو اسلام سے دور کر رہا ہے۔

دعوت کا کام کرنے والے حضرات کو اسلام کے فضائل اخلاق کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے اور اپنے دل و دماغ میں زندہ و پائندہ علم کی طرح ان کا استحضار رکھنا چاہیے، وہ مجرد علم نہیں بلکہ اچھے اخلاق ایک اچھے مومن و داعی کی زندگی کا ایندھن ہیں، ان کے بغیر ایک صالح اسلامی زندگی کی گاڑی سیدھے راستے پر چل نہیں سکتی، اس سلسلہ میں صبر اور عفو و درگزر جیسی بلند عادات و اخلاق کی مضبوط پابندی داعی کے لیے طاقت و رفوج کی حیثیت رکھتی ہے۔

داعی اگر تبلیغ اسلام کی راہ میں صبر اور عفو و درگزر کے حسین جوہر سے خالی ہوگا تو جتنی اصلاح کرے گا اس سے کہیں زیادہ فساد اور بگاڑ پیدا کر دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خود ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کو جب اللہ تعالیٰ نے آسمانی رسالت دنیا والوں تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپی تو تاکید فرمائی: ﴿ **ولربك فاصبر** [المدثر: ۷] ﴾ اور آپ اپنے رب کے لیے صبر کریں۔ اور عفو و درگزر کے بارے میں فرمایا: ﴿ **خذ العفوا وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين** [۷/ ۱۹۹] ﴾ آپ درگزر کو اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جائیں۔

اس لیے کہ دنیاوی کاموں کی طرح بلکہ ان سے بڑھ کر داعی کو تبلیغ اسلام کی راہ میں مخالفت، تنگی اور اذیت کا سامنا ہوا کرتا ہے اور اچھے اخلاق اور صبر و عفو ہی سے اشاعت اسلام کی شاہراہ کھلا کرتی ہے۔ [بہ شکریہ: ''محدث'' بنارس، جولائی ۲۰۰۸ء]

فہرست

جواہر پارے	جنت میں روزہ داروں کا مقام	(انتخاب: عبدالرحمٰن بلتستانی)	1
کلمۂ طیبہ	اچھی سیرت سے دین کی اشاعت		2
اداریہ		(حافظ احمد شاکر)	5
درسِ قرآن	عبادت کا مفہوم	(حافظ محمد صاحب گوندلوی)	7
حجیت حدیث	احادیث سے صحابہ کرام کا استدلال (۶)	(مولانا عبدالرؤف رحمانی)	11
تحقیق وتنقید	زیادۃ الثقہ......(۲)	(محمد خبیب احمد)	17
ارکانِ اسلام	روزہ......اسلام اور دیگر مذاہب میں	(محمد اسحاق بھٹی)	23
معاشی مسائل	رزق......حصول کے ذرائع	(ابوعمار عبدالرحمٰن بلتستانی)	29
افکارِ معاصرین	رخصت کے بعد	(اوریا مقبول جان)	32

روزے کی فضیلت

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾

[البقرۃ:۱۸۳]

''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

ثواب کی نیت سے روزہ رکھنا

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ)) [البخاری:۳۸]

''جس نے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔''

افطاری کی دعا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب روزہ افطار کرتے تو یہ دعا پڑھتے:

ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ ۔

''پیاس ختم ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور روزے کا اجر ان شاءاللہ ثابت ہوگیا۔''

[ابوداود:۲۳۵۷]

ہمارے ہاں کی سیاست ....

اداریـــــہ ═════ حافظ احمد شاکر

نبی اکرم ﷺ سے ہر اہم موقعہ......جمعۃ المبارک،عیدین، نکاح وغیرہ...... کے جو خطبات منقول ہیں ان میں سے بعض میں لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له کے الفاظ بھی آتے ہیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد و پیمان کو بے شک قرآن وحدیث نہیں کہا گیا لیکن اس عہد و پیمان کی ایفا یقیناً قرآن وحدیث ہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مختلف احادیث میں منافق کی جو چند علامتیں بیان فرمائی ہیں ان سب میں وعدہ خلافی مشترک ہے، یہ کوتاہی صرف دینی نہیں بلکہ اخلاقی گراوٹ کی بدترین علامت ہے۔

مرورِایام میں حکمرانی سے بہرہ ور ہونے والوں کی خدمت میں ادباً عرض ہے: وہ اپنے اس طرزِ عمل پہ غور کریں کہ جو وعدے پہ وعدہ کیے جاتے اور توڑتے چلے جاتے ہیں، انہیں چاہیے کہ اپنی جماعت کے مذہبی ونگ سے تفصیلی علم ومعلومات حاصل کر کے اس بات کو اپنے ایمان کا حصہ بنالیں کہ امانت میں خیانت نہ کرنا، وعدہ پورا کرنا اور اس پر قائم رہنا قرآن وحدیث کے احکامات کی روشنی میں ایمان بھی ہے اور دین بھی، اور اپنے راہ نماؤں سے درخواست ہے کہ وہ دین اسلام کے احکامات پر طلاقت لسانی کی طبع آزمائی سے بہت ہی گریز کیا کریں۔کیوں کہ صحیح حدیث میں منقول ہے کہ یصبح مومنا ویمسی کافرا زبان کی ایسی ہی بے احتیاطی سے ممکن ہوتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے امانتوں میں بے احتیاطی، جسے بددیانتی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے، ایمان کی نفی سے بیان فرمایا ہے۔ یہ امانت دین یعنی علم دین کی، وقت کی اور مال کی بھی ہوسکتی ہے۔ جو علماء علم رکھنے کے باوجود دین حق لوگوں تک پہنچانے کی کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ گریبان میں جھانکیں، جو ملازم اوقات معینہ کی پابندی نہیں کرتے وہ توجہ فرمائیں اور غور کریں، اور سب لوگ درجہ بدرجہ مال...... فی سبیل اللہ کا، والدین کا، اولاد کا، خاندان کا اور ملک وملت کا حق اس حدیث مبارک ...... کے معانی کو وسعت دے کر پہچانیں اور اپنا محاسبہ کریں، مال کا حساب تو دنیا یا آخرت میں دینا ہی ہے، لیکن النبی الصادق الامین اگر امانت میں غیر محتاط انسان کے ایمان کی نفی فرما رہے ہیں تو ایسے لوگ قیامت کے دن کس مونہہ سے حوض کوثر پر آپ ﷺ کا سامنا کرسکیں گے؟

....

روشن خیالی کی سیاسی تلچھٹ میں کچھ عرصہ سے ایک رویہ عام ہو رہا ہے کہ وعدہ کرو اور مکر جاؤ، عہد کرو اور توڑ ڈالو، اور جواز یہ تراشا جاتا ہے کہ یہ کوئی قرآن وحدیث تو نہیں۔

(ر) جنرل پرویز مشرف تو چلے گئے لیکن ان کے حیلہ ہائے پرویزی ابھی تک ان ہی کے ''عزم'' ''جرأت'' اور ''شان وشوکت'' کے ساتھ بروئے کار لائے جا رہے ہیں۔ایسا اس لیے ہو رہا ہوگا کہ آنے اور جانے والے شاید سیاسی ہم زلف ہوں۔تاہم سیاسی منظر نامہ اب کچھ کچھ اجلا ہو رہا ہے، مقاصد نمایاں ہونے شروع ہوگئے ہیں، چھپے عزائم اس طرح عیاں ہونے لگے ہیں کہ ''عیاں راچہ بیاں'' والا محاورہ برمحل نظر آنے لگا ہے، بلکہ سیاسی ادب کی اصطلاح کے مطابق اب بلی تھیلے سے باہر آ گئی ہے۔یا یوں کہہ لیں کہ مطلوب ومقصود مردِ حر سورج کی طرح روشن ہو چکا ہے جو اخبارات کے مطابق یہ ہے کہ

اور کچھ رہے نہ رہے ان کے لیے جاری شدہ این۔ آر۔ او جسے ان اور ''ان'' جیسوں کے لیے سایۂ عاطفت بھی کہا جاسکتا ہے ہر قیمت پر برقرار رہنا چاہیے۔ چوں کہ اس کی منسوخی کا اختیار صدر مملکت کے پاس یا پھر اس کو ختم کرنے کی قوت چیف جسٹس آف سپریم کورٹ کے پاس ہوتی ہے، لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ صدر وہ خود بن جائیں تا کہ اپنے آپ پر سایہ برقرار رکھ سکیں۔ وطن عزیز کا وہ ''باصلاحیت'' طبقہ جوان کا ہم پیشہ ہے اس کی انہیں بھرپور تائید حاصل ہے نیز چیف جسٹس کی تقرری، معزولی اور ریٹائرمنٹ بھی چوں کہ صدر مملکت ہی کی جنبش قلم کی رہین منت ہوتی ہے اس لیے یہ ٹینٹا بھی ختم ہو کر ایک پنتھ دو کاج کا محاورہ بھی مکمل ہوجائے گا اور حقیقت یہ نظر آتی ہے کہ مرد حر کی جان این۔ آر۔ او کے طوطے میں ہے۔

جناب زرداری کا صدارتی انتخاب میں حصہ لینے کا ایک مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے بلکہ یقیناً ہوگا کہ ہمارے روشن خیال واعتدال پسند حاکم بش کے دوست اور امریکا کے لیے سراپا وفا (ر) جنرل پرویز مشرف کو اس کے ''محبّ صادق'' ......بش......کی حسب خواہش معافی دے کر اجلا اور صاف اس طرح کر دیا جائے کہ ایک محاورے کے مطابق آنے والے دور میں عوام ان کے لیے ''دعاء خیر'' ہی کریں، باقی رہا بے گناہوں کا رزق خاک ہونے والا خون، گم شدگان کے بچوں کی آہیں، ان کی بیویوں کی سسکیاں، بہنوں کے آنسو، اور ان کے والدین کی بد دعائیں! نئے حکمرانوں کے اعمال واحکام سے مترشح یہ ہوتا ہے کہ وہ ان ''فرسودہ جذبات'' پر پریشان نہیں کہ یہ تو ابھی حکمرانی کی ابتداء ہے انجام خدا جانے۔

....

حکومتی اتحاد میں پانچ جماعتیں شامل تھیں۔ پی۔ پی۔ پی، اے۔ این۔ پی، ایم۔ کیو۔ ایم، جمعیۃ علمائے اسلام (ف) گروپ اور ن لیگ۔ اگر اس اتحاد کی ووٹنگ کریں تو ساڑھے تین جماعتیں ایک طرف اور ڈیڑھ جماعت ایک طرف وہ یوں کہ ن لیگ ایک جماعت ہوگئی اور جمیعت علماء اسلام (ف گروپ) آدھی جماعت کہ حضرت شیخ کے قدم یوں بھی ہیں اور یوں بھی۔ اب حکومت نے کشمیر کمیٹی کے چیئرمینی کی جھلک بھی حضرت شیخ کو دکھا دی ہے لہٰذا ان کا آدھا پن بھی مشکوک ہو چکا ہے باقی رہے میاں نواز شریف! تو وہ بے چارے اب تک ہمارے خیال میں ...... جناب زرداری کے مقابلے میں ...... بھولے بادشاہ ہیں۔ میاں صاحب میں بھی حکم رانوں کی کچھ نہ کچھ خوبیاں تو ضرور موجود ہوں گی اور ہونیں بھی چاہییں اس لیے کہ دور حاضر کی سیاست کرنے والوں کو با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام کا وطیرہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ۱۸ فروری کے انتخابات کے بعد میاں صاحب نے جب جناب زرداری سے اتحاد کا جوڑ ول ڈالا تھا سیاست میں میاں صاحب کا ہمنوا طبقہ اس حکومتی اتحاد کو غیر فطری، جو دراصل غیر نظریاتی ہے، کہہ رہا تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ آشکار ہوگیا کہ میاں صاحب کے اس ایثار یا مصلحت کے پیچھے اغیار کے اس منصوبے کو ناکام بنانا تھا جس کے تحت وہ اہل وطن میں باہمی تصادم کی ایک عرصے سے کوشش کرتا چلا آرہا تھا تاہم میاں صاحب نے اس وقت کو ہمارے خیال میں اچھی طرح استعمال کیا اور اتحاد باقی رکھنے کی ہر حجت پوری کر ڈالی لیکن وہی ہوا جو خلاف توقع نہیں بلکہ عین متوقع تھا اور یہ ہونی ہوکر رہی کہ ۲۵ اگست کو یہ ہنڈیا بالآخر بیچ چوراہے پھوٹ ہی گئی۔

اب سیاست کا بازار مچھلی منڈی بن رہی ہے، جناب زرداری میاں صاحب کو تکلیف نہ دینے کا اعلان کر رہے ہیں، الطاف بھائی میاں صاحب کو جمہوریت کی اہمیت بتا رہے ہیں، محترم قاضی صاحب انتخابات کے وقت کی قلابازیاں میاں صاحب کو یاد دلا رہے ہیں، کل کے دشمن آج دوستی کی پینگیں بڑھا رہے ہیں، گھپلے اور بد دیانتیوں کے ملزموں کے دروازے کھٹکھٹا کر صدارتی ووٹ کی غرض سے ان کی بدعنوانیوں کو قصہ ماضی بنا رہے ہیں، ناز دکھانے والے آج کل نیاز مند بن رہے اور کل کے معتوب آج مقام محبوبی پر براجمان ہو چکے ہیں۔ بقول مجاز اعظمی

ہمارے ہاں کی سیاست کا حال مت پوچھو
طوائف گھری ہوئی ہے تماش بینوں میں

مرتب: ذکاءاللہ

عبادت کا مفہوم

حضرت حافظ محمد صاحب گوندلوی رحمہ اللہ

﴿ وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡئًا ﴾ [النساء:۳۶]

''اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔''

عبادت کے دو معنی ہیں:

(۱)......عبادت بمعنی اطاعت:

جیسے لغت میں ہے: عَبَدَ بمعنی اَطَاعَ، اس لحاظ سے اطاعت اللہ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ اور امراء کی بھی جائز ہے۔ جیسے قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ ﴾ [النساء:۵۹]

''اے ایمان والو! اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو اور امراء کی بھی اطاعت کرو۔''

رسول کی اطاعت اللہ کے حکم سے فرض ہے۔ اسی طرح مباح اُمور میں امیر کی اطاعت ہے، امیر حکم دے تو وہ کام مامور پر فرض ہوجائے گا۔ لیکن اگر امیر شریعت کے خلاف حکم دے، تو اطاعت شرعاً منع ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن حذافہ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنایا۔ کسی ناراضگی کی بنا پر عبداللہ بن حذافہ کو غصہ آ گیا فوج کو لکڑیوں کے اکٹھا کرنے کا حکم دیا، لکڑیوں کے جمع ہوجانے کے بعد آگ جلائی گئی۔ سپہ سالار نے حکم دیا کہ آگ میں چھلانگیں لگا دو۔ اب تمام سوچ میں پڑ گئے کہ کیا کیا جائے؟ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے کے بعد حکم کی تعمیل کی جائے گی جب آپ ﷺ سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا طَاعَةَ لِمَخۡلُوۡقٍ فِىۡ مَعۡصِيَةِ الۡخَالِقِ ۔ [مشکوٰۃ، کتاب الامارہ والقضاء، باب الفصل الثانی۔ شرح السنہ: ۱۰/ ۴۴، رقم: ۲۴۵۵]

''خالق کی نافرمانی مخلوق کی اطاعت نہیں۔''

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجمع میں فرمایا کہ اگر میں اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کروں تو کس کو روکنے کی جرأت ہوگی؟ ایک اعرابی بولا کہ خدا اور رسول کی مخالفت کرنے والے کا سر اڑا دیا جائے گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ علماء بھی امیر ہیں، جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت نہ کریں۔

الغرض عبادت بمعنی اطاعت غیر اللہ جائز ہے جب تک شریعت کے خلاف نہ ہو۔

(۲)......عبادت کا خاص معنی:

عبادت کے دوسرے معنی پوجا کرنا، پرستش کرنا کے ہیں۔

﴿ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ﴾ کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے اَلۡعِبَادَةُ اَقۡصٰى غَايَةِ الۡخُضُوۡعِ وَالتَّذَلُّلِ کے معنی کیے ہیں۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

اَلۡعِبَادَةُ كَمَالُ الۡمُحَبَّةِ وَالۡخُضُوۡعِ وَالۡخَوۡفِ ۔

مگر ابن جریر نے عبداللہ بن عباس کا قول نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ خوف حقیقت عبادت میں داخل نہیں ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عبادت کی تعریف یوں فرمائی ہے:

اَلۡعِبَادَةُ كَمَالُ الۡمُحَبَّةِ مَعَ غَايَةِ الۡخُضُوۡعِ ۔

مذکورہ تعریفات سے نتیجہ نکلا کہ اکثر مفسرین کے نزدیک عبادت دو چیزوں سے عبارت ہے:

① ......انتہائی درجہ کی محبت، ② ......انتہائی درجہ کی ذلت

عبادت کے اس معنی کے لحاظ سے ارکانِ اسلام میں سے صرف نماز عبادت ٹھہری۔ کیوں کہ اس میں انتہائی ذلت ہے مگر یہ تعریف بھی ایسی جامع ومانع نہیں۔ کیوں کہ نماز میں بھی انتہائی ذلت تو سجدہ میں ہے۔ سجدہ کے علاوہ رکوع اور قیام انتہائی ذلت کے مصداق نہیں۔ حالاں کہ یہ نماز کے رکن ہیں۔ گویا تعریف جامع نہیں۔

اسی طرح سجدۂ تعظیمی، سجدۂ تلاوتِ قرآن صورتاً ذلت ہیں۔ تعریف کے تحت آتے ہیں، حالاں کہ وہ عبادت نہیں۔ لہٰذا وہ تعریف مانع بھی نہ ہوئی۔

شاہ ولی اللہؒ صاحب نے عبادت کی تعریف یوں فرمائی ہے:

اَلْعِبَادَۃُ اَقْصٰی غَایَۃِ التَّذَلُّلِ بِحَسْبِ النِّیَّـۃِ۔

''عبادت کے معنی انتہائی ذلت کے ہیں مگر انتہائی درجہ کی ذلت کا تعلق دل سے ہے۔ یعنی کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر تعظیم بجالانے کا نام عبادت ہے۔''

شاہ صاحب کی یہ تعریف ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تعریف کے قریب قریب ہی ہے۔ مگر شاہ صاحب کی تعریف میں دِقت ہے۔ الغرض عبادت کی تعریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ غیر اللہ کی عبادت اس معنی کے لحاظ سے جائز نہیں اور ارکانِ اسلام میں سے صرف نماز ہی اصل عبادت ہے۔ کیوں کہ کل احکامِ شریعت تین قسم کے ہیں:

① ...... کچھ تو اطاعت کے تحت آتے ہیں، جیسے حضور کی اطاعت کرنا۔ امراء، والدین وغیرہ کی اطاعت کرنا۔

② ...... کچھ احکام قربت کا ذریعہ بنتے ہیں، جیسے روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، تلاوتِ قرآن، ذکر وغیرہ۔ یہ تمام امور قربت کا وسیلہ ہیں۔

③ ...... ذلت اس معنی کا مصداق صرف نماز ہی ہے۔

شرک جس طرح عبادت میں ہے اسی طرح قربت اور اطاعت میں بھی ہوسکتا ہے، جیسے کوئی روزہ یا صدقہ غیر اللہ کے لیے بجالائے تو مشرک ہوگا۔ باقی رہا سجدۂ تعظیمی کہ کیا وہ حرام ہے یا شرک؟ تو یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ مگر ہم مختصراً اس پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ سجدۂ تعظیمی توراۃ کے اترنے سے پہلے غیر اللہ کے لیے جائز تھا۔ جیسے فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا۔ توراۃ میں اس کی حرمت اُتری۔ سوال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جس سجدہ کا جواز رہا، کیا اس کا مرتکب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت اور شریعت محمدیہ میں مشرک کہلائے گا یا حرام کا مرتکب ہوگا؟

قرآنِ مجید اور توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک شرک کا کوئی جواز نہیں ہوا۔ قرآنِ مجید سے دلائل:

﴿ وَ سْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ ﴾ [الزخرف:٤٥]

''اُن پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھیئے کہ ہم نے رحمٰن کے علاوہ معبود بنائے ہیں جن کی عبادت کی جائے؟''

یعنی اللہ نے کسی نبی کی معرفت یہ حکم نہیں دیا کہ اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت کی جائے۔ کیوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ [النحل:٣٦]

''یقیناً ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا۔ (جن کی دعوت یہ تھی) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔''

﴿ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ [الانبیاء:٢٥]

''جو رسول آیا اس کی طرف ہم نے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس میری عبادت کرو۔''

چوتھے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ﴾

[بنی اسرائیل:٢٣]

''میرے ربّ کا فیصلہ ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو۔''

اور ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ﴾ [یوسف: ٤٠]

''اس نے حکم دیا کہ صرف اسی کی عبادت کرو۔''

قرآنِ مجید کے مندرجہ بالا ارشادات سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک عبادتِ غیر اللہ کا جواز نہیں تھا۔ یعنی شرک کا جواز ہرگز نہیں ہوا۔ جب شرک کا جواز نہیں ہوا تو توراۃ میں اور شریعت محمدیہ میں جس میں سجدۂ تعظیمی (جو کہ آدم علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کو ہوا) کی حرمت ہوئی ہے۔ اب اس کا مرتکب مشرک نہیں بلکہ حرام کا مرتکب ہے، ہاں اگر اسے کوئی حلال سمجھے تو وہ کافر ہے۔ کیوں کہ اب اس کی حرمت کا مسئلہ متواترات میں سے ہے۔

عبادت کی تعریف میں یہ گزر چکا ہے کہ کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر کوئی تعظیم بجالائے تو وہ عبادت ہوگی اور عبادت غیر اللہ شرک ہے۔ لہٰذا وہ شخص مشرک ہوگا۔ حاجت روائی یا مشکل کشائی سے غیبی قوت یا قہری شفاعت مراد ہیں۔ آدم علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جو سجدہ ہوا وہ حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر نہیں کیا گیا، بلکہ ایک تعظیم کی صورت تھی جو اللہ تعالیٰ نے جائز رکھی۔

سجدۂ تعظیمی از قبیل محرمات ہے، جیسے کہ شریعت محمدیہ میں قبروں کے اندر نماز حرام ہے اسی طرح سورج کے طلوع وغروب کے وقت نماز حرام ہے۔ فی نفسہٖ نماز کوئی بری شیءنہیں، مگر شارع کے حکم سے قبروں میں اور اوقاتِ طلوع وغروب میں نماز پڑھنا حرام ہے۔ اسی طرح شریعت محمدیہ اور توراۃ سے پہلے سجدۂ تعظیمی جائز تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تعظیمی فی نفسہٖ کوئی شے نہیں، صرف ایک تعظیم کی شکل تھی، مگر اب شارع علیہ السلام کے حکم سے حرام ہے۔

اب اگر کوئی سوائے اللہ کے غیر کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر سجدہ کرے، تو مشرک ہوگا اور اگر صرف ایک تعظیم کی صورت سمجھ کر سجدہ کرے مشکل کشا اور حاجت روا نہ سمجھے تو حرام کا مرتکب ہوگا۔ صورتاً سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی ایک ہیں مگر نیت اور حکم کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

جناب بختیار کاکی رحمہ اللہ نے سجدۂ تعظیمی کو جائز کہا ہے اور ساتھ ہی دلیل بھی بیان فرمائی ہے کہ سجدۂ تعظیمی کے جواز کی دلیل قرآن میں ہے۔ یعنی فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کا سجدہ کرنا...... سجدۂ تعظیمی کا جواز قطعی ہے۔ اور اس کی حرمت خبر واحد سے ہے، جو کہ ظنی ہے۔ لہٰذا ظنی دلیل قطعی کے جواز کو حرام نہیں کر سکتی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے جناب بختیار کاکی رحمہ اللہ سے اختلاف کیا کہ سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر صرف خبر واحد ہی دلیل نہیں، بلکہ امت کا اجماع بھی ہے اور یہ متفقہ اصول ہے کہ خبر واحد کے ساتھ اجماع مل جائے، تو دلیل ظنی نہیں رہتی بلکہ قطعی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سجدۂ تعظیمی کی حرمت قطعی ہے۔

آدم علیہ السلام کو جو سجدہ کیا گیا اس کی کچھ تفصیل یہاں موزوں ہوگی۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا ... الخ ﴾ [البقرۃ: ٣١]

''اس کی تفسیر میں بعض مفسرین کا ایک قول بیان کیا جاتا ہے کہ اسماء سے مراد اسمائے الٰہی ہیں جو آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سیکھے اور آدم علیہ السلام سے فرشتوں نے سیکھے۔''

قاضی پانی پتی رحمہ اللہ نے ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام مٹی سے تھے اور مٹی تجلّیٔ ذاتی کا محل ہے۔ اسی طرح ان میں ہر اسم الٰہی کی تجلی معلوم کرنے کی استعداد تھی، بخلاف فرشتوں کے کہ ان کے کمالات صرف تجلی اسمی تک محدود ہیں۔ مذکورہ فضیلت کی بنا پر آدم علیہ السلام خلیفہ ٹھہرے فرشتوں نے چوں کہ آدم علیہ السلام سے اسمائے الٰہی سیکھے تھے اس لیے وہ سجدۂ تعظیمی کے لیے گرے۔

مفسرین کی مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے استاذ سمجھ کر سجدہ کیا ہے۔ اب اگر کوئی باپ استاذ یا پیر سمجھ کر سجدہ کرے یہ سجدۂ تعظیمی ہوگا اور کرنے والا حرام کا مرتکب ہوگا۔ پھر اگر مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر سجدہ کرے تو مشرک ہوگا۔

موجودہ زمانہ میں بعض لوگ تصور شیخ سیکھتے سکھاتے ہیں، یہ درست نہیں۔ کیوں کہ اگر تصور شیخ بطور عبادت پکائے تو شرک ہوگا۔ اور اگر بطور تعظیم اور ورزش حاصل کرے تو حرام ہوگا۔

دلیل:

سید احمد رحمہ اللہ صاحب کی تاریخ میں ہے کہ وہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ صاحب کے مرید ہوئے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میری شکل کو ذہن میں پکاؤ۔ سید احمد رحمہ اللہ صاحب نے انکار کردیا۔ شاہ عبدالعزیز نے حافظ شیرازی رحمہ اللہ کا شعر پڑھا:

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزل ہا

سید صاحب رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر آپ مجھے ایک حرام کا حکم دیتے تو میں بجالاتا۔ کیوں کہ حرام کی سزا آخرت میں محدود ہے۔ مگر مجھے تصور شیخ میں شرک کا شائبہ معلوم ہوتا ہے، جس کی سزا ابدی ہے اس لیے میں آپ کے اس حکم کی تعمیل نہیں کرسکتا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ سمجھ گئے کہ یہ چیز درست نہیں ہے اس کے بعد تصور شیخ کرانا چھوڑ دیا۔

مختصراً تعریف عبادت کا خلاصہ یہ نکلا کہ کسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر کوئی تعظیم بجالائے تو وہ عبادت ہوگی۔ غیر اللہ کے لیے ایسی نیت کرکے تعظیم کرنے والا مشرک ہوگا جیسے کسی قبر پر جا کر روئے، طواف کرے یا ہاتھ لگائے کہ یہ میرا مشکل کشا ہے، تو وہ شخص مشرک ہوگا۔ جیسے کافر رسول اللہ کو کہتے تھے کہ تو ہمارے بتوں کو ہاتھ ہی لگا دے تو اس بارے میں یہ سورت اتری:

﴿ قُلْ يَآَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ o لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ... الخ ﴾

[بہ شکریہ، ہفت روزہ توحید لاہور، ۹ ذی الحجہ ۱۳۸۵ یکم اپریل ۱۹۶۶ء]



احادیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا استدلال وامتثال ⑥

حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی، جھنڈانگری (نیپال ہند)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کثیر الاحادیث صحابہ کرام میں سے اوّل نمبر پر ہیں۔ آپ نے احادیث نبویہ پر عمل کیا اور زندگی کے تمام حالات میں عبادات ومعاملات وغیرہ کے لیے احادیث نبویہ ہی کو پیش نظر رکھا۔ چند واقعات بطورِ مثال عرض کیے جا رہے ہیں:

①...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عشا کی نماز میں سورہ اذا السمآء انشقت پڑھی اور اس میں سجدہ بھی کیا۔ کسی نے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اس سورہ میں سجدہ اس لیے کیا کہ

سَجَدْتُ فِيهَا خَلْفَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُهَا حَتَّى أَلْقَاهُ. [مسند احمد، ج:۲، ص:۲۲۹]

''کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے اس سورہ میں سجدہ کیا ہے تو اب مرتے دم تک برابر اس سورہ کی تلاوت پر سجدہ کیا کروں گا۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز کے جن آداب وسنن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا زندگی بھر انہی مسنون آداب کی اتباع کرتے رہے۔ اور اپنے ہر عمل کے ثبوت میں احادیث شریفہ کو بطور دلیل وثبوت پیش فرماتے رہے۔

②...... ایک جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حاکم مدینہ مروان کی موجودگی میں ان کے سامنے سے گزرا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو جنازہ دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے مروان نہیں اٹھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس لیے جنازہ کو دیکھ کر اٹھ گیا ہوں کہ میں نے ایسے موقعہ پر نبی اکرم ﷺ کو اٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مروان نے جب اس حدیث فعلی کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ [مسند احمد، ج:۲، ص:۴۰۹]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے جذبہ عمل بروفق حدیث اور تبلیغ حدیث نے اتباع حدیث کے لیے مروان کو بھی آمادہ کرلیا۔ غرض اس مبارک عہد میں آنحضرت ﷺ کا قول وفعل ہی آخری سند تھا۔ اس کا نام اتباع سنن وامتثال حدیث ہے۔ آج بھی اسی اتباع اور اسی امتثال کی ضرورت ہے۔

③...... ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے پیٹ کے اس مقام کو چومنا چاہتا ہوں جہاں رسول اللہ ﷺ چوما کرتے تھے۔

فَكَشَفَ لَهُ عَنْ بَطْنِهِ فَقَبَّلَهُ.

''تو انھوں نے اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا دیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چوم لیا۔'' [مسند احمد، ج:۲، ص:۴۸۸]

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی ہر ادا سے انتہائی محبت وعقیدت تھی۔ اور ہر عمل، ہر قدم پر رسول اللہ ﷺ کے اسوہ وسنن کو پیش نظر رکھتے۔ سنن ہدی اور سنن زوائد کی کوئی تفریق وہاں نہ تھی۔

④...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جو شخص صبح تک جنبی رہے گا اس کا روزہ قبول نہ ہوگا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس کے خلاف پہنچ گئی اور معلوم ومحقق ہوگیا کہ روزہ دار باوجود صبح تک جنبی رہنے کے اور دن میں غسل کرنے کے روزہ رکھ سکتا ہے۔ روزہ میں کوئی نقص واقع نہ ہوگا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سابقہ

فتوے سے رجوع کرلیا۔ راوی کے الفاظ ہیں:

فَکَفَّ اَبُوْھُرَیْرَۃَ۔ [مسند احمد، ج:٦، ص:٢٦٦]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اتباع سنن و امتثال حدیث ہی ہر حال میں منظور تھا۔ اگر لاعلمی سے کوئی اور فتویٰ دے چکے ہوتے تو جب حدیث رسول اللہ ﷺ صحت کے ساتھ اپنے فتویٰ کے خلاف مل جاتی تو بلا ادنیٰ نفسانیت کے فی الفور حدیث رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے۔

⑤...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منکرات شرعیہ کو قطعاً برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ایک عورت خوشبو لگا کر مسجد کی طرف جارہی تھی آپ نے خوشبو محسوس کی تو کہا پہلے خوشبو کو دھو ڈال پھر مسجد میں داخل ہو۔

[مسند احمد]

⑥...... شطرنج، تاش، گنجفہ، چوسر وغیرہ کھیلنے والوں پر سخت نکیر فرماتے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے شطرنج (نرد) کھیلنے والوں کے متعلق فرمایا کہ جو شخص پیسہ لگا کر کھیلتا ہے وہ سور کا گوشت کھانے والے کی طرح ہے اور جو شخص بلا پیسہ لگائے ہوئے یوں ہی تفریحاً کھیلتا ہے وہ گویا سور کے خون میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہے اور جو شخص کھیلتا نہیں محض تماشائی بن کر دیکھ رہا ہے وہ سور کے گوشت کا نظارہ کر رہا ہے۔

[الادب المفرد للبخاری، ص:١٨٦]

یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص امر منکر کو دیکھے اس کو چاہیے کہ وہ اس منکر شرعی کو اپنی طاقت سے مٹا دے۔ طاقت نہ ہو تو زبان سے اس کا انکار کرے اور اس صورتِ حال کو بدل ڈالنے کی ٹھان لے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی پر عمل فرمایا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ:

آپ بھی بڑے عاشق سنن بزرگ صحابی ہیں اور قدم قدم پر حدیث رسول کے طالب اور اس پر عامل تھے چند ایک واقعات پر اکتفا کیا جارہا ہے۔

①...... ایک بار حضرت ابوسعید خدری نے حضرت ابوذر غفاری، حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو اپنے یہاں کھانے پر مدعو کیا۔ سب لوگ شریک دعوت ہوئے جب نماز کا وقت آ گیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے بحیثیت امام کے آگے بڑھ گئے۔ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ٹوکا اور کہا رَبُّ الْبَیْتِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَۃِ کہ امامت کا زیادہ حق دار گھر والا ہے۔ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا کَذٰلِکَ یَا ابْنَ مَسْعُوْد یعنی اے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کیا مسئلہ اسی طرح ہے؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں! راوی کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی حضرت ابوذر غفاری امامت کی جگہ سے الگ ہوگئے۔ [منتخب کنز العمال، ج:٣، ص:٢٤٧]

اس روایت سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بے نفسی و پاک ضمیری بھی ظاہر ہے اور اتباع سنن و امتثال حدیث بھی خوب واضح ہے۔ فرمانِ رسالت پر اس طرح سر تسلیم خم کرنے والے اب کہاں باقی ہیں۔ الا ماشاءاللہ

②...... حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک بار اپنے حوض پر کھڑے ہو کر کوئی کام کر رہے تھے ایک شخص نے آپ سے غصہ دلانے والی بات کی آپ سخت مشتعل ہوگئے۔ لیکن غصہ کو فرو کرنے کے خیال سے بیٹھ گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد لیٹ گئے۔ کسی نے پوچھا اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا:

''نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور اگر غصہ اس حالت میں بھی نہ دبے تو لیٹ جائے'' اس لیے میں نے غصہ دبانے کے لیے ان تدبیروں پر عمل کیا۔ [مسند احمد، ج:٥، ص:١٥٢]

اس واقعہ سے ان کا جذبہ امتثال و اتباع صاف ظاہر ہے کیسے عجیب و غریب لوگ تھے کہ فرمانِ رسالت کا کوئی جزئیہ ان سے چھوٹنے نہ پایا۔

③...... ایک صاحب کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کچھ ''تحفہ'' لے کر مقام ربذہ میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ

وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اجازت سے امسال حج کے لیے تشریف لے جاچکے ہیں۔ تو میں نے بھی ان سے ملنے کے لیے یہ سفر اختیار کیا اور مقامِ ''منیٰ'' میں جا کر ان سے ملا۔ ابھی میں پہنچا ہی تھا کہ کسی نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعت نماز (بلا قصر) ادا کی ہے تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بہت برا فروختہ ہوئے اور کہنے لگے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر کو منیٰ میں ہمیشہ دو ہی رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ ادھر تو یہ کہا اور ادھر جب دوسری نمازِ جماعت کا ذکر آیا تو خود بھی ان کے ساتھ چار ہی رکعت کو ادا فرمایا۔ تو کسی نے کہا:

عِبْتَ عَلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ثُمَّ صَنَعْتَ ۔

یعنی ''ابھی تو امیر المومنین کے چار رکعت پر اعتراض فرما رہے تھے اور پھر وہی خود بھی کیا۔''

جواب دیا: اَلْخِلَافُ اَشَدُّ ۔

''مخالفت اور بھی بری بات ہوگی۔'' کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ امر وقت کی مخالفت کرنی اسلام کے جُوا کو گردن سے اتار پھینکنے کے مترادف ہے۔ ہاں ہمارے ذمہ ایسے حالات میں صرف یہ فریضہ رہ جاتا ہے۔

اَنْ نَاْمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَنُعَلِّمَ السُّنَنَ۔ [مسند احمد، ج:۵، ص:۱۶۵]

یعنی ''شرعی معروضات اور ماموارت کی ہم تبلیغ کریں اور منکرات ومحظورات سے لوگوں کو منع کریں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کی ہم تعلیم دیں۔''

بہرصورت اس واقعہ کے دونوں پہلو میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا امتثالِ حدیث واتباعِ سنن ظاہر ہے۔ جب چار رکعت نماز پر نکیر فرمایا تو وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے تحت تھا اور خلیفہ وقت کے ساتھ چار رکعتوں کو ادا کیا تو حدیث اطاعت اولوالامر کے تحت تھا۔ بہر حال وہ پختہ عامل حدیث اور متبع سنن تھے۔

④...... ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ایک غلام دیا اور فرمایا کہ اس کے ساتھ عمدہ سلوک اور بھلائی کرنا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے غلام کو آزاد کردیا کہ یہ ان کے نزدیک اس کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی وبھلائی تھی۔ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ غلام کا کیا حال ہے؟ فرمایا: آپ نے ارشاد کیا تھا کہ تم اس کے ساتھ بھلا سلوک کرنا۔ میرے نزدیک سب سے بھلا سلوک اس کا آزاد کرنا تھا اس لیے میں نے اسے آزاد کردیا۔

[مسند احمد، ج:۵، ص:۲۵۰]

اس واقعہ میں بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جذبہ امتثال صاف جھلک رہا ہے۔ نہ اس غلام سے مادی منافع کمانے کا خیال ہوا نہ اس کے ذریعہ کام کاج میں آرام وراحت اٹھانے کا دل میں خیال آیا۔ اگر کچھ خیال ہوا تو ارشاد رسالت پر باحسن وجوہ عمل کرنے کا۔ اب چوں کہ سب سے احسن وجہ بلاشبہ آزادگی تھی اس لیے انہوں نے اتباعاً وامتثالاً غلام کو آزاد کردیا۔

⑤...... حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک بار ایک اچھا جوڑا (حلہ) پہنے ہوئے تھے اور بالکل اسی طرح کا عمدہ جوڑا (حلہ) ان کا غلام بھی پہنے ہوئے تھا۔ کسی نے سوال کیا کہ آپ کا اور غلام کا لباس بالکل یکساں کیوں ہے؟ جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ (غلام) تمہارے بھائی ہیں جو کھاؤ وہی کھلاؤ اور جو پہنو وہی پہناؤ۔

[الادب المفرد للبخاری، ص:۳۰]

اس واقعہ سے بھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا جذبہ امتثال واتباع حدیث صاف ظاہر ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:

①...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بڑے متبع سنن صحابی ہیں۔ ایک بار حجاج کے سپاہیوں نے نماز جمعہ کے دن جب کہ حجاج کا خطبہ شروع ہوچکا نماز ادا کرنے سے روکا کہ اس وقت امیر کا خطبہ سنو۔ مگر آپ نے دو رکعت نماز ان کے زجر وضرب کے درمیان ادا فرمائی۔ جب پوچھا گیا کہ آپ نے نماز کو کیوں ترک نہ کیا؟ جب کہ اس کے سپاہی تنگ کررہے تھے اور آپ کو کوڑہ سے مارنے لگے تھے۔ فرمایا: یہ

کیسے ہوسکتا ہے کہ ان کے روکنے سے میں ان رکعتوں سے رک جاؤں جن کے متعلق مجھے ایک واقعہ یاد ہے جب کہ جمعہ کے خطبے کے وقت ایک آنے والے شخص کو آنحضرت ﷺ نے خود یہ دونوں رکعتیں پڑھوائیں۔[ترمذی]

② ...... ایک بار آپ کسی درد و تکلیف کی وجہ سے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے۔فرماتے ہیں کہ میرا ایک بھائی آیا اس نے میرے اس طرح لیٹنے کو ناگوار سمجھ کر میرے دکھی اور زخمی پاؤں پر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ مجھے بڑی اذیت ہوئی۔ میں نے کہا آپ کو معلوم نہیں کہ میرے اس پاؤں میں کیسی تکلیف اور بے چینی ہے؟ کہا ہاں معلوم ہے لیکن تم کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح کے لیٹنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ [مسند احمد، ج:۳، ص:٤٢]

حضرت ابوسعید خدری نے حدیث نبوی کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا اور اپنی تکلیف بے چینی کی شکایت بھول گئے۔

③ ...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سن رکھا تھا کہ کسی کے خوف سے حق بات کہنے سے گریز نہ کرنا چاہیے۔ جب حضرت معاویہ کے زمانہ میں اصلاح طلب حالات پیش آئے تو اس حدیث کے بموجب جب میں نے سفر کیا۔فَـمَلَأْتُ اُذُنَیْــہ مختلف قسم کی شکایات سے میں نے اس کے کانوں کو بھر دیا۔یعنی بلا رورعایت حق باتوں کو ان کے منہ پر کہہ آیا۔

[مسند احمد، ج:۳، ص:٨٤]

اس روایت سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا تبلیغی جذبہ اور صاحب اقتدار کے سامنے کلمہ حق برملا کہنے کا حال ظاہر ہے جو اتباع رسالت وامتثالِ احادیث ہے۔ آج ایسے صاحبانِ اختیار ومالکان اقتدار کے سامنے کلمہ حق اور خلاف مزاج شکایات کے پیش کرنے کا حوصلہ بالعموم ختم ہے بلکہ دینی احساس ہی باقی نہیں ہے۔ اسی لیے منکرات ہر طرف اور ہر سوسائٹی میں ابل پڑے ہیں اور قوم کے پاسبان ہیں کہ معاشی ومعاشرتی وتمدنی واقتصادی عنوانات ومسائل پر مباحثوں میں مشغول ہیں۔

④ ...... حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بار بقرعید کے موقعے پر مجھے ایک سفر کرنا ضروری ہوگیا اور میں چلا گیا اور جب یوم الاضحیٰ (بقرعید) سے کئی دن کے بعد گھر واپس آیا تو میری بیوی نے ترکاری اور گوشت ملا ہوا سالن بنا کر پیش کیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ یہ گوشت کہاں سے ملا؟ بیوی نے کہا کہ قربانی کے گوشت کا بقایا ہے۔ میں نے کہا یہ اِدّخار کہاں درست ہے۔ کیوں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بقرعید کے گوشت تین دن سے زیادہ نہ روکے جائیں۔ اس لیے میں اس گوشت کو نہ استعمال کروں گا۔ بیوی نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے امسال کے موسم اضحیٰ میں اس کی رخصت عطا فرما دی ہے۔ اب جتنے دنوں تک جی چاہے گوشت کو بچا کر رکھ سکتے ہیں۔ حضرت ابوسعید فرماتے ہیں مجھے تنہا ایک عورت کے بیان پر اعتماد کرنا اچھا معلوم نہ ہوا تو میں نے ایک بدوی بھائی سے دریافت کیا جب انھوں نے بھی اس رخصت کے متعلق تصدیق کر دی تب میں نے وہ سالن استعمال کیا۔ [مسند احمد، ج:٤، ص:١٦]

اس روایت سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا جذبہ اتباع وامتثال صاف ظاہر ہے۔اپنے مرغوب سے مرغوب اشیاء طعام وغیرہ میں ارشاد رسالت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ:

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں شام کے گورنر تھے۔ دس ہزار دینار سالانہ ان کا وظیفہ مقرر تھا۔[استیعاب لابن عبدالبر]

بڑے متبع سنن تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب سریرآراء خلافت ہوئے تو دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کی غلط فہمیوں کی وجہ سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ماتحت نہ ہوئے۔غلط فہمی کے بعض اسباب بھی تھے اور یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی جس پر شرعاً ملامت جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ بڑے صاحب فضیلت صحابی بھی ہیں اسی واسطے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں لکھا ہے:

باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکے از اصحاب

آنحضرت ﷺ بود و صاحب فضیلة جلیلہ در زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم زنہار در حق او سوءِ ظن نہ کنی۔ [ازالة الخفا]

یعنی ''خوب سمجھ لینا چاہیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ ان کے حق میں بدگمانی ہرگز درست نہیں۔'' بہرحال اس ضروری انتباہ کے بعد ان کے اتباعِ سنن کے چند واقعات دیکھیے۔

① ...... حضرت سائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کی۔ جب امام نے نماز جماعت ختم کر لی تو میں نے اسی جگہ پر سنت پڑھنی شروع کر دی جب میں نماز پڑھ چکا تو حضرت معاویہ نے مجھے بلایا اور کہا کہ فرض نماز کے ساتھ دوسری نماز کا ملانا درست نہیں ہے یا تو جگہ بدل لینی چاہیے یا درمیان میں کوئی بات کر لینی چاہیے۔ یہ مجھے اتنا بتلا کر حدیث نبوی سنائی:

فَـاِنَّ رَسُـوْلَ اللّٰـهِ ﷺ اَمَـرَنَـا بِـذَالِكَ اَنْ لَا نُوْصِلَ صَلَاةً حَتّٰى نَتَكَلَّمَ اَوْ نَخْرُجَ ۔ [منتخب كنز العمال، ج:۳، ص:۲۹٤]

یعنی ''رسولِ اکرم ﷺ کا حکم ہے کہ فرض و سنت کے درمیان فاصلہ ضروری ہے خواہ جگہ بدل لے یا کوئی بات درمیان میں کر لے۔''

اس واقعہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ تبلیغ و امتثال حدیث واضح ہے۔

② ...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے امارت وخلافت (حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے صلح و بیعت کے بعد خلافت متحقق ہوگئی) کے دور میں مؤذن کے اذان پر ہر ایک کلمہ کا جواب دیتے رہتے۔ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح پر پہنچا تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا باقی کلمات کا جواب مؤذن کے کلمات کی طرح دیتے تھے۔ ایک بار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هٰـكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ، اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ ۔ [مسند احمد، ج:٤، ص:٩٨]

یعنی ''میں موذن کی اذان کے جواب میں ان کلمات کو اس لیے کہتا ہوں کہ رسولِ اکرم ﷺ بھی مؤذن کی اذان پر اسی طرح کہتے تھے۔''

اس واقعہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا امتثالِ سنن واتباعِ حدیث کا حال صاف ظاہر ہے۔ بے شک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر وقت تھے حکومت کے منصب عالی پر فائز تھے۔ لیکن عباداتِ نبویہ کے تمام جزئیات بلکہ اذانِ نماز کے تمام آداب تک پر عامل بھی تھے اور مبلغ بھی اور اس کو اپنے لیے فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ ایک آج ہمارا زمانہ ہے کہ سرمایہ دار طبقہ عموماً نماز روزہ اذان وغیرہ کے آداب و سنن سے دور جارہا ہے اور کتنے رئیس اور صاحبزادے ہیں جو کلمہ طیبہ، کلمہ شہادت کے سوال پر پوچھنے والے کا منہ دیکھنے لگتے ہیں کہ حضرت سائل کون سی اصطلاح بول رہے ہیں۔

③ ...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ روم کی سلطنت سے صلح قبول کر چکے تھے۔ صلح میں جو کچھ وقت اس کے لیے مقرر تھا۔ وہ وقت اور معاہدہ جب پورا ہونے کے قریب آیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس میعاد کے اندر ہی روم پر فوج کشی کے ارادہ سے اپنی فوجوں کو رومی سرحد کے قریب کر دیا ان کا ارادہ یہ تھا کہ مدت ختم ہوتے ہی سرحد پار ہو کر رومی سلطنت پر حملہ کر دیا جائے۔ ایک صحابی کو اس کا علم ہوا تو وہ سواری پر سوار ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ اور وَفَـاءٌ لَا غَدَرٌ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے آئے اور رسولِ اکرم ﷺ کی ایک حدیث سنائی کہ معاہدہ کے دوران میں کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ معاہدہ کی مدت ختم ہونے کے بعد علی الاعلان صلح یا جنگ کا معاملہ کیا جائے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث سنی فوراً اپنے تمام لاؤ لشکر کے ساتھ واپس آ گئے۔ مسند احمد کے الفاظ ہیں:

فبلغ ذلك معاويه فرجع ۔

[مسند احمد، ج:٤، ص:١١١]

اس روایت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ امتثال واتباع

حدیث کا حال خوب واضح ہے۔لشکرکشی کے تمام نقصانات واخراجات ومصارف کا کچھ بھی لحاظ نہ فرمایا حدیث رسول اللہ ﷺ کے ملتے ہی سرتسلیم خم کردیا۔

④...... حافظ ابوعبید قاسم بن سلام لکھتے ہیں کہ شاہ روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک معین رقم ادا کرنے کے وعدہ پر صلح کرلی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ادائے رقم تک کچھ چیزیں رہن کے طور پر ضمانۃً حاصل فرمائیں۔لیکن شاہِ روم نے اس ضمانت اور مرہون اشیاء کے باوجود بدعہدی کی۔اس وقت مسلمانوں کے قبضہ میں بہت سے رومیوں کے آدمی رہن کے اندر شامل ہوکر موجود تھے۔لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً بدعہدی نہیں کی نہ کسی کو قتل کیا نہ کسی کو قید رکھا بلکہ میعاد ختم ہوتے ہی ان سب مرہون آدمیوں کو آزاد کردیا۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس رحم دلی اور التزام فرمانِ مصطفوی کے سبب فتح وکامرانی حاصل ہوئی اور آزاد کردہ وہ رومی اشخاص آپ رضی اللہ عنہ کے لیے مخبرورازافشا کرنے والے اور قلعہ تک آسان راستوں سے جانے کے لیے رہبر بن گئے۔بہرحال یہاں مقصود صرف اس قدر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کی اتباع فرمائی اور فرمانِ رسالت کا امتثال کیا۔یعنی آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کو پیش نظر رکھا جس میں فرمایا گیا ہے کہ جوشخص کسی غیر کے ظلم کی وجہ سے اس کے دوسرے متعلقین کوستائے گا یاقتل کرے گا وہ میری شفاعت اور ورودِ حوضِ کوثر سے محروم رہے گا۔

ایک اورحدیث میں فرمایا کہ جومعاہدین پرظلم کرے۔لم یجد رائحۃ الجنۃ ۔

وہ جنت کی خوشبوتک سے بھی محروم رہے گا۔راوی کے الفاظ ہیں:

فَـاَبٰـى مُـعَاوِيَةُ وَالْمُسْلِمُوْنَ اَنْ يَسْتَحِلُّوْا قَتْلَ مَنْ فِىْ اَيْدِيْهِمْ مِنْ رُهُنِهِمْ وَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۔

[كتاب الاموال، ص:١٦٢]

یعنی ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اصحابِ شوریٰ نے جائز نہیں رکھا کہ رومی بادشاہ کی غلطی سے دوسرے ضمانت والے رومی قتل کردیئے جائیں۔''

بلکہ غلطی کا خمیازہ غلطی کرنے والے کے سرڈالا اوران ہم قوم ہم وطن رومیوں کوخوشدلی سے آزاد کردیا۔

ایک آج کا دور ہے کہ اگرایک حکومت میں کسی اقلیت کے متعلق نادانستہ بھی ذراسی بے اعتدالی ہوجائے تو دوسری حکومت کے ماتحت حکام وافسران کواپنے یہاں کی اقلیت کوخلاف معاہدہ ستانے اورتلف وبربادکرنے کے لیے ایک سند جواز ہاتھ آجاتی ہے۔ [جاری ہے]



خصوصی اطلاع

معاونین دارالحدیث سے ادباً گزارش ہے کہ مالی تعاون کے لیے درج ذیل پتہ نوٹ فرمالیں۔کیوں کہ میں دائم المرض ہوں اور بڑھاپہ ودیگرعوارضات کے علاوہ نظربھی انتہائی کمزور ہوچکی ہے۔

بایں وجہ میں نے ذمہ داری اپنے بیٹے پروفیسرعبیدالرحمٰن محسن کو سونپ دی ہے۔ پتہ نوٹ فرمالیں۔

پروفیسرعبیدالرحمٰن محسن

مدیردارالحدیث راجووال،اوکاڑا

فون: 0300-6972721

بذریعہ چیک ترسیل زر کے لیے: بنام دارالحدیث راجووال

اکاؤنٹ نمبر UBL0100167-1 راجووال

العارض

محمد یوسف بانی ومہتمم دارالحدیث راجووال اوکاڑہ

زیادۃ الثقہ اور وإذا قرأ فأنصتوا کا حکم ❷

محمد خبیب احمد، ادارۂ علوم اثریہ (فیصل آباد)

استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی ﷾من کل شر فرماتے ہیں:

’’صحیح مسلم میں سلیمان تیمی کی بیان کردہ حدیث "وإذا قرأ فانصتوا" صحیح محفوظ ہے، بعض ائمہ کا اسے ضعیف ومعلول قرار دینا صحیح نہیں اور نہ صحیح مسلم کی احادیث کو ضعیف اور شاذ کہنا جائز ہے۔‘‘

[الحدیث، اپریل ۲۰۰۸،ص:۱۵]

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ سلیمان بن طرخان تیمی، امام قتادہ بن دعامۃ سے حدیث بیان کرتے ہوئے وإذا قرأ فانصتوا کی زیادت ذکر کرتے ہیں۔ جب کہ اس کی روایت کے برعکس قتادۃ کے مشہور اور اوثق شاگرد اس زیادت کو بیان نہیں کرتے جن میں سعید بن ابی عروبۃ، ہمام، شعبہ اور ہشام دستوائی، قتادۃ کے صف اوّل کے خاص شاگرد ہیں۔ جب کہ دوسرے طبقہ کے شاگردوں میں ابوعوانہ، ابان بن یزید عطار اور حماد بن سلمہ وغیرہ کا نام آتا ہے۔ تیسرے طبقے میں حجاج بن حجاج باہلی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ یہ تمام رواۃ صحیحین کے رواۃ ہیں اور تیمی سے زیادہ ثقہ ہیں۔ اب ان کا ضبط وعدالت میں تقابل ملاحظہ فرمائیں۔

سلیمان بن طرخان تیمی، ثقہ عابد۔[التقریب:۲۸۳۶]

شعبۃ بن الحجاج امیر المومنین فی الحدیث، ثقہ حافظ متقن۔

[التقریب:۳۰۸۷]

معمر بن راشد بصری، ثقہ ثبت فاضل۔[التقریب:۶۲۸۷]

ہشام بن ابی عبداللہ دستوائی، ثقہ ثبت۔[التقریب:۸۲۱۸]

ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ یشکری، ثقہ ثبت۔

[التقریب:۸۳۴۱]

سعید بن ابی عروبۃ، ثقہ حافظ۔[التقریب:۲۶۰۸]

لیجیے یہ ہے حافظ ابن حجر کا ان رواۃ کے مابین تجزیہ کہ سلیمان صرف ثقہ ہیں اور اس کے باقی ساتھی ضبط وعدالت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض کا شمار تو جرح وتعدیل کے مشہور ائمہ میں ہوتا ہے۔ اس لیے سلیمان کے مقابلہ میں جماعت کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ کیوں کہ پیچھے ہم ذکر کرآئے ہیں کہ اس جماعت کی روایت فردِ واحد کی روایت پر مقدم ہوگی۔ اب اس ترجیح کا دوسرا قرینہ بھی ملاحظہ ہو کہ یہ رواۃ امام قتادۃ کے خاص بلکہ اخص شاگرد ہیں ان کا قتادۃ سے جو ربط ہے وہ سلیمان تیمی تو کیا کسی اور کا بھی نہیں۔

ابن معین نے ابن ابی عروبۃ کو قتادۃ (سے بیان کرنے) میں اثبت الناس کہا۔

[شرح العلل لابن رجب، ج:۲، ص:۶۹۴]

اور کہا ہمام مجھے زیادہ محبوب ہے۔ یحییٰ قطان، ابان بن یزید عطار سے روایت کرتے ہیں۔ [شرح العلل، ایضاً]

ابن مدینی کے ہاں ہشام اُروی الناس ہے۔[سؤالات ابی داود، فقرہ:۵۴۱] ان کی تائید امام احمد نے کی ہے۔[بحرالدم، رقم:۱۰۹۴]

عمرو بن علی کے ہاں ابن ابی عروبۃ، ہشام، شعبہ اور ہمام کا شمار قتادۃ کے اُثبات تلامذہ میں ہوتا ہے۔[تہذیب التہذیب، ج:۱۱،ص:۶۹]

ابن رجب کے ہاں قتادۃ کے تین حفاظ شاگرد ہیں۔ شعبہ، سعید اور ہشام ان کے باقی تلامذہ حماد بن سلمۃ، ہمام اور ابان وغیرہ ہیں۔ جب سعید، شعبہ اور ہشام کا اختلاف ہو تو شعبہ اور ہشام کی روایت راجح ہوگی۔ [شرح العلل، ج:۲، ص:۶۹۵، ۶۹۶]

امام اثرم کے ہاں تیمی، قتادہ کے حفاظ شاگردوں میں نہ تھے۔

[شرح العلل، ج:۲، ص:۷۸۸]

بلکہ حافظ بردیجی نے تو یہاں تک فرما کر بات ہی ختم کردی کہ ''جب آپ قتادۃ کی صحیح حدیث جاننے کا ارادہ کریں تو اس کے لیے شعبہ، سعید بن ابی عروبۃ اور ہشام دستوائی کی روایت کو دیکھیں۔ اگر وہ کسی روایت میں متفق ہیں تو وہی روایت صحیح ہے۔''

[شرح العلل لابن رجب، ج:۲، ص:۶۹۷]

لیجیے! قطعت جهيزة قول كل خطيب!

یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ امام قتادۃ ایک جملہ تو ارشاد فرمائیں مگر ان اعیان کو اس کا علم نہ ہوسکے۔ پیچھے ذکر کردہ وجوہ ترجیحات میں سے یہاں کم از کم چار وجوہ ترجیحات پائی جاتی ہیں۔

① ...... جماعت کی روایت کو ترجیح

② ...... احفظ اور اوثق رواۃ کی روایت کو ترجیح

③ ...... اخص تلامذہ کی روایت کو ترجیح

④ ...... جس سند میں حافظ ناقد ہو اس کو ترجیح

اب ہم امام مسلم اور صحیح مسلم کی طرف آتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی الصحیح میں اس ٹکڑے کو علیحدہ طور پر ذکر کر کے، اس کی تصحیح کر کے دوسرے متقدمین جلیل القدر ائمہ کی اس زیادت کے حکم میں مخالفت کی ہے یا امام مسلم بھی انھیں کی طرح اس کے شذوذ کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں۔

امام مسلم اور وإذا قرأ فانصتوا:

صحیح مسلم کو صحیح بخاری کے بعد جو مرتبہ اور قبولِ عام حاصل ہوا ہے وہ کسی سے بھی مخفی نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ جہاں امام صاحب کا خلوص اور للّٰہیت ہے وہاں اس میں چند ایسی بنیادی خوبیاں بھی ہیں جن کی بدولت یہ صحیح بخاری سے بھی ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور ان میں سے امام صاحب کا سبھی ابواب میں صحت کے اعتبار سے احادیث کی ترتیب وتنسیق ہے۔ اور اس خاصیت کا تذکرہ امام صاحب نے خود مقدمہ کتاب میں کیا ہے۔ اس لیے امام مسلم کسی باب کو شروع کرنے میں انہی روایات کا انتخاب کرتے ہیں جو کہ دوسری روایات سے اصح ہوتی ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ کسی چیز کا اصح ہونا اس باب میں بقیہ روایات کی مناسبت سے ہے مطلق طور پر نہیں۔ یعنی ایک حدیث جس کے رواۃ کا شمار تعدیل کے دوسرے مرتبہ میں ہوتا ہے یہ ان رواۃ کی حدیث سے اصح ہے جن کے رواۃ کا شمار تعدیل کے تیسرے مرتبہ میں ہوتا ہے۔ ضروری نہیں کہ پہلے مرتبہ کے رواۃ کی روایت کو اصح قرار دیا جائے۔

اسی مناسبت سے امام صاحب کبھی کبھار اواخر ابواب میں معلول روایت بھی لے آتے ہیں۔ اس معلول روایت سے استدلال اور استنباط مطلوب نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود توضیح علت ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ امام صاحب ایسی روایت کو اصل موضوع میں نہیں لاتے اور نہ ہی کسی باب کو شروع کرتے ہوئے اس معلول روایت پر بنیاد رکھتے ہیں۔ جس کی مزید وضاحت آئندہ آئے گی۔

مختصر طور پر اسی مختلف فیہ جملہ کو ہی لیجیے جس کے بارے میں حافظ ابومسعود دمشقی فرماتے ہیں:

''امام مسلم نے (سلیمان بن طرخان) تیمی کی حدیث اس ارادہ سے ذکر کی ہے کہ وہ اس حدیث میں قتادۃ پر اختلاف بیان کریں۔ نہ تو وہ اس حدیث کا اثبات کر رہے ہیں اور نہ وہ اس کے قول کو جماعت کے مقابلہ میں قبول کر رہے ہیں جنھوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ امام صاحب نے جماعت کی حدیث کو مقدم کیا پھر سلیمان تیمی کی حدیث کو اس کے تابع بنایا۔''

[الأجوبة لأبي مسعود الدمشقي، ص:۱۵۹، ۱۶۰]

امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ، باب التشہد میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث بیان کی۔ پہلی سند [رقم: ۹۰۴ دارالسلام] ابوعوانہ عن قتادۃ کے طریق سے بیان کی۔ دوسری سند [رقم: ۹۰۵] ابوبکر بن ابی شیبۃ سے بیان کی اور اس میں یہ تفصیل بھی بیان کی کہ ﴿ وإذا قرأ فانصتوا ﴾ اور ''فإن الله عزوجل قال على لسان نبيه ﷺ: سمع الله لمن حمده'' میں تفرد ہے۔ ﴿ وإذا قرأ فانصتوا ﴾ کی

زیادت میں سلیمان تیمی قتادۃ سے روایت کرنے میں متفرد ہے اور ابوعوانہ قتادۃ سے "فإن الله عزوجل قال على لسان نبيه ﷺ: سمع الله لمن حمده" روایت کرنے میں متفرد ہے۔ پھر امام صاحب نے حدیث [۹۰۶] اسحٰق بن ابراہیم وابن ابی عمر کی سند سے ابوعوانہ کے تفرد کو دور کرتے ہوئے معمر کی متابعت ذکر کی ہے۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں امام صاحب کے اس قول کی جو تفسیر کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوبکر نے اس حدیث پر طعن کیا اور اس کی صحت کو مخدوش قرار دیا تو امام مسلم نے ان سے پوچھا کہ تو سلیمان سے احفظ کا ارادہ کرتا ہے؟ یعنی سلیمان مکمل حفظ اور ضبط والا ہے اس لیے اسے کسی کی مخالفت مضر نہیں۔ تو حافظ ابوبکر نے دریافت کیا کہ ابوہریرہ کی حدیث تو صحیح ہے مگر آپ نے اسے یہاں ذکر نہیں کیا۔ فرمایا: میں نے صرف مجمع علیہ روایات کا ہی ذکر کیا ہے۔

[شرح النووی، ج:۱، ص:۱۷۵ درسی نسخہ]

امام نووی کی اس تفسیر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم نے اس جملہ کی تصحیح کر کے امام ابن معین، بخاری، ابوداوٗد، ابوحاتم وغیرہ کی مخالفت کی ہے۔ جب کہ امام نووی اس زیادت کو خود درست نہیں سمجھتے۔ امام مسلم نے یہاں سلیمان تیمی کی حدیث کو جس انداز سے ذکر کیا ہے اور سلیمان کی دیگر ثقات کی مخالفت پر تنبیہ کی ہے ان دونوں باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم بھی اس زیادت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ محض انھوں نے سلیمان تیمی اور قتادۃ کے بقیہ شاگردوں کے مابین اختلاف ذکر کر کے اس کی علت کی جانب اشارہ کیا ہے جس کے درج ذیل قرائن ہیں:

یہ زیادت امام مسلم کے ہاں بھی شاذ ہے:

اوّلاً: امام مسلم زیادۃ الثقہ کو مطلق طور پر قابل قبول نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ امام نووی وغیرہ کا خیال ہے اور نہ ہی امام مسلم کا مقدمہ صحیح میں قول کہ "متفرد راوی اپنی روایت میں کچھ ایسے الفاظ کی زیادت کرتا ہے جو اس کے دوسرے معاصرین بیان نہیں کرتے تو اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔" [مقدمہ، ص:۶ دارالسلام] جس کی مثال امام مسلم نے امام زہری وغیرہ کی دی ہے۔ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ اگر ثقہ راوی کوئی اضافہ کرے اور اس کے خطا کی کوئی دلیل نہ ہو تو اسے ایک اساسی حیثیت دیتے ہوئے قبول کیا جائے گا۔ اب زیادۃ الثقہ کے بارے میں امام مسلم کی کلام ملاحظہ ہو:

"روایت میں اختلاف کی صورت میں خطا تک پہنچنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ حفاظ رواۃ کی ایک جماعت کسی حدیث کو امام زہری ایسے کسی اور امام سے ایک سند اور ایک ہی متن سے روایت کرتی ہے۔ وہ سب رواۃ اس سے روایت کرنے میں سند اور متن میں اکٹھے ہوتے ہیں اور وہ اس روایت میں کسی بھی معنی میں اختلاف نہیں کرتے۔ اب ان کے علاوہ ایک اور شخص اسی روایت کو انھی محدثین سے روایت کرتا ہے جن سے حفاظ رواۃ نے روایت کی ہے تو یہ منفرد شخص سند کو بیان کرنے میں ان کی مخالفت کرتا ہے یا وہ متن تبدیل کر دیتا ہے۔ نتیجتاً وہ حفاظ کی روایت کے برعکس بیان کرتا ہے۔ اس وقت جان لیا جائے کہ دونوں روایتوں میں صحیح روایت وہی ہے جسے حفاظ کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ اکیلے کی روایت کا اعتبار نہیں۔ اگرچہ وہ حافظ ہی کیوں نہ ہو۔ اسی منہج پر ہم نے محدثین کو حدیث پر حکم لگاتے ہوئے دیکھا ہے جیسے شعبہ، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید، عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ۔"

[کتاب التمییز، ص:۱۲۶]

گویا کہ امام مسلم کے ہاں بھی ثقہ کی زیادت کا وہی حکم ہے جو جمہور محدثین کا ہے۔ حافظ ابن حجر بھی فرماتے ہیں کہ ثقہ کی زیادت کو مطلق طور پر قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ ابن مہدی، یحییٰ قطان، ابن معین، احمد، ابن مدینی، بخاری، ابوزرعہ، ابوحاتم، نسائی، دارقطنی وغیرہ بھی زیادت میں ترجیح کا اعتبار کرتے تھے۔ [نخبۃ الفکر، ص:۴۷]

امام مالک محدث مدینہ نے سند میں عن ابیہ کا واسطہ ذکر کیا، جسے جماعت نے بیان نہیں کیا، تو امام مسلم نے امام مالک کی اس زیادت کو امام مالک کی خطا کی بنا پر ردّ کر دیا۔

[کتاب التمییز، ص:۱۷۲، ۱۷۳]

سعید بن عبید جن کا شمار بھی ثقات میں ہوتا ہے جب انھوں نے

جماعت کی روایت کے برعکس حدیث القسامۃ میں ان النبی ﷺ سألهم البينة کا اضافہ کیا تو امام مسلم نے سعید کی روایت کو غلط اور وہم قرار دیا۔[کتاب التمییز، ص:۱۴٦ تفصیل دیکھئے: فتح الباری، ج:۱۲، ص:۲۳٤، ۲۳٦]

اسی بنا پر تو حافظ ابن رجب [شرح العلل، ص:۲۴۷] اور حافظ ابن حجر [النکت، ج:۲، ص:۶۸۷] فرماتے ہیں کہ شیخین اور دیگر محدثین مطلق طور پر زیادۃ الثقہ کو قبول نہیں کرتے۔

ثانیاً: امام مسلم نے ﴿ وإذا قرأ فانصتوا ﴾ کو باب النهی عن القراۃ خلف الامام میں ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس معنی کی کسی اور حدیث میں اس کا تذکرہ کیا۔ اگر امام صاحب تیمی کی زیادت کو صحیح تسلیم کرتے تو وہ اسے اس کے متعلقہ باب میں ضرور ذکر کرتے، بلکہ امام صاحب کے اسلوب سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز میں مطلق طور پر سورۃ الفاتحۃ کی قراءت کے وجوب کے قائل ہیں اور امام کی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے جہری سورۃ کی قراءت کے ترک کے قائل ہیں۔

امام مسلم نے کتاب الصلوٰۃ، سورۃ القیامۃ کی آیت ﴿ لا تحرك به لسانك ﴾ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث [۴۴۸] کو ذکر کیا جس پر امام انووی نے باب الاستماع للقراءۃ کا عنوان قائم کیا۔ امام صاحب نے اس میں بھی تیمی کی زیادت کو ذکر نہیں کیا۔ اگر امام صاحب اسے صحیح سمجھتے تو سلیمان تیمی عن قتادۃ کی پوری حدیث نقل فرماتے یا کم از کم اس مسئلہ سے متعلق ٹکڑا ہی ذکر کردیتے جب کہ ابن عباس کی اس حدیث کو امام صاحب نے کتاب الصلوٰۃ میں سلیمان تیمی کی حدیث کے چند ابواب کے بعد ذکر کیا ہے۔

جس باب میں امام صاحب نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے اس باب کا تعلق نماز میں تشہد کے بارے میں ہے اور امام نووی نے بھی اس حدیث پر یہی باب باندھا ہے۔ لہٰذا تشہد کے باب میں انصات کا حکم دینا چہ معنی دارد؟ اس سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ امام صاحب نے اسے تشہد کے باب میں ذکر کرکے اس سے احتجاج نہیں کیا اور نہ ہی اسے بطور استدلال پیش کیا۔

ثالثاً: اگر یہ زیادت امام صاحب کے ہاں صحیح ہوتی تو امام صاحب نے اس اشکال کو کیوں نہیں دور فرمایا جو اشکال تیمی کا دیگر رواۃ کی مخالفت کرنے میں اور اس زیادت میں متفرد ہونے کی صورت میں پیدا ہوتا ہے؟

جب کہ اسی وقت امام صاحب نے وہ اشکال تو دور فرمایا جو ابوعوانہ کی زیادت کے بارے میں پیدا ہوا کہ انھوں نے فوراً ہی معمر کی متابعت ذکر کردی۔ جس سے یہ بات نکھر کر سامنے آئی کہ قتادۃ سے روایت کرنے میں ابوعوانہ کی اس زیادت کی اصل موجود ہے۔ سلیمان تیمی کی زیادت کے بارے میں یہ نسبت کہاں ہے؟

ان تینوں قرائن قویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم نے سلیمان تیمی کی اس زیادت کو قتادۃ کے تلامذہ کے مابین اختلاف ذکر کرنے کے لیے اور تیمی کے تفرد کی جانب اشارہ کرنے کے لیے ذکر کیا۔ اس سے استدلال قطعاً مقصود نہیں تھا اور نہ ہی امام مسلم اس زیادت کو صحیح اور درست سمجھ رہے ہیں۔

امام نووی کی توضیح بھی محل نظر ہے:

امام نووی نے اس حدیث کی جو تشریح کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مسلم کے ہاں یہ زیادت صحیح ہے۔ لہٰذا ابوبکر کی اس زیادت پر تنقید غیر سدید ہے، کیوں کہ سلیمان حافظ ہیں اس لیے دیگر رواۃ کا ان کی مخالفت کرنا باعث قدح نہیں ...... [شرح النووی]

سوال یہ ہے کہ امام نووی نے امام مسلم کی کلام کی جو تفسیر کی ہے کیا سیاق وسباق اس کا مؤید ہے؟ یا عام شوافع کی طرح امام نووی کا رجحان بھی اس جانب ہے کہ امام مسلم بھی زیادۃ الثقہ کو مطلقاً قبول کرتے ہیں؟ جس بنا پر بقول امام نووی امام مسلم حافظ ابوبکر کے استفسار پر اس زیادت کی صحت وثبوت کا دفاع کررہے ہیں!

جب کہ حافظ ابومسعود دمشقی، جنھوں نے امام دارقطنی کے صحیحین پر اعتراضات کے جوابات دیے ہیں، نے امام نووی کی اس توضیح کے بالکل برعکس نتیجہ نکالا ہے کہ امام مسلم نے اسے اختلاف بیان کرنے

کے لیے ذکر کیا ہے اس کی صحت اور ثبوت مطلوب نہیں۔
اگر ہم امام مسلم اور ان کے شاگرد ابوبکر کے مابین حدیث سلیمان اور حدیث ابوہریرۃ کے بارے میں مکالمہ پر غور وفکر کریں اور اس مکالمہ کا مقارنہ امام نووی اور حافظ ابومسعود دمشقی کے قول وتفسیر سے کریں تو یہ بات نکھر کر سامنے آئے گی کہ حافظ دمشقی کا ہی موقف درست ہے۔ کیوں کہ امام نووی کی تفسیر سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ امام مسلم زیادۃ الثقہ کو مطلقاً قبول کرتے ہیں، جب کہ امام مسلم کا موقف اس کے بالکل برعکس ہے۔ جس کی دو مثالیں ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں۔
ثانیاً: اگر امام نووی کی تفسیر کو مدنظر رکھا جائے تو اس سے لازمی طور پر صحیح مسلم میں امام مسلم کے منہج اور اس زیادت کی صحت میں صریح تناقض ہے کیوں کہ امام مسلم نے ابوبکر سے بات چیت کرتے ہوئے آخر میں فرمایا: ''میں نے الصحیح میں ان احادیث کو جگہ دی ہے جن کی صحت پر اجماع ہو چکا ہے'' اور صحیح مسلم کے اساسی منہج کی توضیح فرمائی۔ سوال یہ ہے کہ ﴿ وإذا قرأ فانصتوا ﴾ کی صحت پر اجماع ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ جس زیادت کو بخاری، ذہلی، ابوداود، ابوعلی نیسابوری، ابوحاتم رازی، ابن خزیمہ، دارقطنی، بیہقی وغیرہ ایسے اعلام شاذ اور معلول قرار دیں، اس پر اجماع کا اطلاق فہم سے بالاتر ہے، بلکہ جس کی صحت کے خود امام مسلم بھی قائل نہیں۔ اسی اجماع کی پاسداری کرتے ہوئے وہ حضرت ابوہریرۃ کی حدیث **وإذا قرأ فانصتوا** نہیں لائے جسے امام صاحب نے خود اس مقام پر صحیح بھی کہا ہے۔ اس لیے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ امام صاحب ایک مقام پر فرمائیں: ''میں نے اس کتاب کے لیے ان احادیث کا انتخاب کیا ہے جو صحت کے اعتبار سے مجمع علیہ ہیں'' اور ایک جانب محدثین کے ہاں مختلف فیہ بلکہ ضعیف جملہ سے استدلال بھی کر رہے ہوں۔ یہ ہے امام نووی کی اس تفسیر کی وجہ سے صریح تناقض!
اس لیے امام مسلم کے قول کی یہ تفسیر محل نظر ہے۔
امام نووی کا یہ فرمانا:

ویقال: قد وضع احادیث کثیرة غیر مجمع علیها؟ وجوابه: انها عند مسلم بصفة المجمع علیه ولا یلزم تقلید غیره فی ذلك۔
''کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے صحیح مسلم میں ایسی احادیث بھی ذکر کی ہیں جن کی صحت پر اجماع نہیں ہے؟ تو اس کا یہ جواب ہے کہ امام مسلم کے ہاں ان کی نوعیت اجماعی ہے اور انھیں اس میں کسی اور کی تقلید کی ضرورت نہیں۔'' [شرح مسلم، ج:۱، ص:۱۷۵ درسی نسخه]
امام نووی کا یہ جواب یہاں صادق نہیں آتا کیوں کہ امام مسلم نے یہاں صراحت فرما دی ہے کہ سلیمان نے یہاں ابن ابی عروبۃ، دستوائی وغیرہ کی مخالفت کی ہے اور اس سند میں تیمی کا کوئی متابع بھی نہیں۔ اس لیے یہ زیادت بھی امام مسلم کے ہاں اجماعی نوعیت کی حامل نہیں۔
ثالثاً: امام مسلم اور حافظ ابوبکر کے مابین جو مکالمہ ہوا اس کی درج ذیل صحیح تفسیر بھی امام نووی کی تفسیر سے متصادم ہے۔ کیوں کہ حافظ ابوبکر نے امام مسلم سے یہ سنا کہ ابوعوانۃ، قتادۃ سے ((فإن الله قضی علی لسان نبیه)) بیان کرنے میں متفرد ہے اور امام صاحب نے آخر باب میں معمر عن قتادۃ کی متابعت ذکر کرکے اس کا تفرد دور کر دیا اور اصل حقیقت کی نقاب کشائی بھی کر دی کہ امام قتادۃ سے اس جملہ کی اصل موجود ہے۔
جب حافظ ابوبکر نے یہ مناسبت تیمی کی زیادت کے ساتھ نہ دیکھی تو پوچھا: **فی هذا الحدیث** یعنی اس حدیث پر کیا حکم لگایا جائے گا؟ کیا جو مخالفت آپ نے ذکر کی ہے وہ سلیمان تیمی کی زیادت کے لیے مضر نہیں؟
تو امام مسلم نے جواب دیا: **ترید احفظ من سلیمان؟** یعنی سلیمان احفظ اور متقن نہیں جب کہ اس کے دوسرے ساتھی سلیمان سے بھی احفظ اور اتقن ہیں۔ بلکہ تیمی تو قتادۃ سے روایت کرتے ہوئے وہم کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر ایسی صورت میں ایسے راوی پر کیوں کر اعتماد کیا جاسکتا ہے بالخصوص جب وہ قتادۃ کے کبار، ثقات تلامذہ کی

مخالفت کررہا ہو؟

یادرہے شیخ صالح بن حامد رفاعی نے امام اثرم وغیرہ کی سلیمان پر تنقید کا جو دفاع کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تیمی مطلقاً ثقہ راوی ہے۔قتادۃ سے بھی اس کا ضعف نہیں۔حافظ ابن حجر نے بھی اسے ہدی الساری میں متکلم فیہ رواۃ کی صف میں شامل نہیں فرمایا۔مگر شیخ رفاعی نے سلیمان کی وإذا قرأ فأنصتوا کی زیادت کے بارے میں سکوت فرمایا ہے۔[الثقات الذين ضعفوا في بعض شيوخهم، ص:١٠٦]

اب تیمی کی زیادت کو امام بخاری، ابوحاتم وغیرہ ایسے اعیان نے شاذ قرار دیا ہے اس لیے کم از کم تیمی کی قتادۃ سے اس زیادت کو بیان کرتے ہوئے وہم کا شکار ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

حافظ ابوبکر نے تیمی کی زیادت کو جب کمزور دیکھا تو انھوں نے اس موضوع کی دوسری حدیث ابوہریرۃ کی بابت استفسار کیا کہ وہ کیسی ہے؟ امام صاحب نے جواباً فرمایا: هو صحيح اگر امام نووی کی تفسیر کو درست مانا جائے تو امام صاحب کو یہ فرمانا چاہیے تھا کہ هو صحيح ايضا۔ جب کہ امام صاحب نے حدیث ابوہریرۃ کی صحت کی تاکید هو عندي صحيح سے مکرر کردی۔

پھر حافظ ابوبکر نے استفسار کیا کہ اگر وہ صحیح ہے تو آپ نے حدیث ابی ہریرۃ کو صحیح مسلم میں کیوں نہیں جگہ دی؟ حالاں کہ امام ابوبکر بھی جانتے تھے کہ امام صاحب نے صحیح مسلم میں سبھی احادیث کا استیعاب نہیں کیا۔اس کے باوجود انھوں نے حدیث ابوہریرۃ کی بابت ضرور پوچھا کیوں کہ انھیں پوری صحیح مسلم میں اس باب میں کوئی خاص حدیث نہیں ملی اور نہ ہی اس زیادت کو امام صاحب نے کسی اور جگہ ذکر کیا ہے۔ جب کہ انھوں نے مقدمہ کتاب میں اس کا وعدہ فرمایا کہ وہ مضامین، مسائل کی مناسبت سے مکمل احادیث یا صرف متعلقہ ٹکڑا ضرور ذکر کریں گے۔واللہ اعلم بالصواب [جاری ہے]

❀❀............❀............❀❀

روزہ ......اسلام اور دیگر مذاہب میں

محمد اسحاق بھٹی

اسلام کے بنیادی ارکان جن کو ماننا اور جن پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، پانچ ہیں۔ پہلا رکن توحید ہے، جس کا مطلب اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنا اور اس کی روشنی میں سفر حیات کی چھوٹی بڑی تمام منزلیں طے کرنا ہے۔ دوسرا رکن نماز، تیسرا زکوٰۃ، چوتھا ماہِ رمضان کے روزے اور پانچواں حج بیت اللہ ہے۔ آج کی صحبت میں خوانندگانِ محترم کی خدمت میں روزے کے متعلق چند گزارشات پیش کرنا مقصود ہے۔

روزہ ایک ایسا مذہبی شعار ہے جو اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ قرآن کے ارشاد کے مطابق اسلام سے پہلے بھی تمام مذاہب کے احکام کا لازمی حصہ رہا ہے جسے قرآن ''کُتِبَ'' کے لفظ سے بیان فرماتا ہے۔لیکن روزے کی صحیح تاریخ کیا ہے؟ سب سے پہلے کس شخص نے روزہ رکھا اور کس مذہب سے اس کی ابتدا ہوئی اور کس صورت میں ہوئی؟ اس کی وضاحت کسی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب میں نہیں کی گئی اور اس کی اصل تاریخ کے بارے میں کسی مذہبی عالم یا محقق نے تصریح نہیں کی۔ البتہ بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ روزے کی ابتدا قدیم زمانے کے وحشی قبائل میں ہوئی ہوگی۔ وہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ خود بھوکے رہیں گے تو ان کا کھانا ان کے مردوں کو پہنچتا ہوگا۔ لیکن یہ ایسا خیال ہے، جس کی تصدیق کہیں سے نہیں ہوتی۔

اب آیے دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پہلے مختلف مذاہب میں روزہ کس طرح رکھا جاتا تھا اور کس طریقے سے لوگ یہ فریضہ انجام دیتے تھے۔

برصغیر یعنی پاکستان، ہندوستان اور بنگلا دیش کے ہندو اپنی مذہبی تہذیب اور ثقافت کی قدامت کے دعوے دار ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ ان کے ہاں روزے کو ''برت'' کہا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک ہر شمسی مہینے کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو برہمنوں پر برت (یعنی روزہ) فرض ہے۔ اسے وہ اپنی مذہبی بولی میں ''اکاشی کا برت'' کہتے ہیں۔ اس طرح ایک سال میں ان پر چوبیس روزے فرض ہوئے۔

بعض برہمن شمسی کیلنڈر کے کاتک کے مہینے میں ہر سوموار کو روزہ رکھتے ہیں۔ اس مہینے میں سوموار چار آجائیں یا پانچ، اپنے مذہب کی رو سے ہر برہمن پر یہ روزہ فرض ہے۔ باقی گیارہ مہینوں میں وہ روزہ نہیں رکھتے۔

وہ ہندو جوگی جو اپنے مذہب پر عمل پیرا ہیں، ہر سال چالیس دن کھانے پینے سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہ بھی روزے کی ایک شکل ہے۔

ہندوؤں کے ''جینی دھرم'' میں چالیس چالیس دن کا ایک روزہ ہوتا ہے۔ ہندوستان کے بعض علاقوں کے جینی کئی کئی ہفتے کا روزہ رکھتے ہیں۔

یونان میں صرف عورتوں پر ان کے مروّجہ مہینے کی تیسری تاریخ کو روزہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مرد اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے اس مہینے کا نام ''تھموفیریا'' ہے۔

پارسیوں میں یہ رواج ہے کہ ان کے صرف مذہبی پیشوا روزہ رکھیں، دوسرے لوگ نہ رکھیں۔

یہودیوں کے نزدیک سال میں چالیس روزے رکھنا کارِ ثواب ہے۔ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر چالیس دن بھوک پیاس میں گزارے تھے۔ ان کی پیروی کرنی چاہیے، لیکن چالیسویں دن کے روزے کو وہ فرض قرار دیتے ہیں۔ یہ روزہ ان کے ساتویں

مہینے (تشرین) کی دسویں تاریخ کو آتا ہے۔ اسی لیے وہ اسے عاشورا کہتے ہیں یعنی دسواں۔ یہی عاشورے کا دن تھا، جس میں حضرت موسیٰ کو تورات کے دس احکام عطا فرمائے گئے تھے، جنھیں ''احکام عشرہ'' کہا جاتا ہے۔ اسی بنا پر تورات میں اس دن روزہ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

عیسائی مذہب میں بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ عیسائیوں کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نے چالیس دن جنگل میں روزہ رکھا تھا، لہٰذا ہمیں بھی رکھنا چاہیے۔

زمانۂ جاہلیت کے عرب بھی روزے کے متعلق تھوڑی بہت معلومات رکھتے تھے۔ چناں چہ قریش مکہ یوم عاشورا (محرم کی دس تاریخ کو) روزہ رکھتے تھے، اس لیے کہ اس دن کعبۃ اللّٰہ پر نیا غلاف چڑھایا جاتا تھا۔

یہ اختصار کے ساتھ قبل از اسلام کے ان روزوں کا تذکرہ تھا جو مختلف مذاہب کے لوگ رکھتے تھے۔ مسلمانوں پر روزے ۲ ہجری میں فرض کیے گئے اور قرآن نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ [البقرۃ:۱۸۳]

''مسلمانو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کیے گئے تھے، اسی طرح تم پر بھی فرض کیے گئے ہیں تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

مطلب یہ کہ روزے مسلمانوں کی کوئی ایسی عبادت نہیں جو صرف انہی کے لیے مخصوص ہو، اسلام سے قبل کے مذاہب میں بھی روزہ رکھنے کا سلسلہ جاری تھا۔ لیکن اسلام نے اس کے لیے رمضان کا ایک خاص قمری مہینا مقرر کردیا جو کسی سال انتیس دنوں پر مشتمل ہوتا ہے، کسی سال تیس دنوں پر......! یعنی رمضان میں موسمی تغیر اور تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔

روزے کے لیے قرآن نے ''صوم'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ صوم کے معنے ہیں رکنا اور چپ رہنا۔ یعنی کھانے پینے سے، برائی کے ارتکاب سے، جنسی تعلقات سے، کوئی غلط کام کرنے سے رکنا اور ناروا خواہشوں اور فضول باتوں سے دل اور زبان کو محفوظ رکھنا۔

اسلام چوں کہ آسان مذہب ہے اور اپنے ماننے والوں کو تکلیفوں سے بچاتا ہے، اس لیے اس نے روزے کی اس بنیادی عبادت میں بہت سی اصلاحات اور سہولتیں پیدا کیں، جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

⊙...... اسلام سے پہلے الہامی مذہب بھی تھے اور غیر الہامی بھی۔ ان مذاہب کی فہرست میں بعض مذاہب وہ ہیں، جن کے صرف پیشوا یا خاص خاص لوگ روزہ رکھتے تھے۔ تمام لوگ روزہ نہیں رکھتے تھے۔ مثلاً ہندوؤں میں مذہبی اعتبار سے صرف برہمن روزے کا مکلّف ہے، غیر برہمن کے لیے روزہ رکھنا ضروری نہیں۔ پارسیوں میں صرف پیشوا پر روزہ فرض ہے۔ یونانیوں میں فقط عورتیں روزہ رکھیں۔ لیکن اسلام نے اس امتیاز کو ختم کردیا۔ اسلام میں پیشوا، غیر پیشوا، مرد، عورت، امیر، غریب میں کوئی تخصیص نہیں، سب مسلمانوں پر (جو اس کی طاقت رکھتے ہیں) روزہ فرض ہے۔

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ [البقرۃ:۱۸۵]

''تم میں جو شخص اس مہینے کو پائے، وہ روزہ رکھے۔''

⊙...... یہودیوں کے ہاں روزہ نہ رکھنے والے کو قتل کردینے کا حکم تھا اور یہ سختی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ جو شخص کہیں سے بہ طور مہمان یا مسافر یہودیوں کے ہاں آیا، اگر چہ وہ یہودی نہیں ہے، اس پر بھی روزہ فرض تھا۔ لیکن اسلام چوں کہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، اس لیے معذوروں، کمزوروں، مریضوں، مسافروں کے لیے فرمایا کہ وہ روزے بعد میں رکھ لیں اور جو لوگ دائم المریض ہیں، وہ روزے کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ﴾ [البقرۃ:۱۸۴]

''جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ (رمضان کے بعد) اور

دنوں میں روزہ رکھ لے اور جن لوگوں کو روزہ رکھنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے، وہ ہر روزے کے بدلے ایک محتاج کو کھانا کھلا دیا کریں۔"

اسلام میں بچوں کو بھی روزے سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ عورتیں ایامِ حمل، ایامِ رضاعت اور دوسرے مخصوص ایام میں روزہ نہ رکھیں۔ یہ ایک ایسا عذر ہے، جس کی بنا پر وہ بعد میں روزہ رکھ سکتی ہیں۔

⊙...... ہندوستان کے برہمن یا جینی مذہب کے لوگ بالعموم شمسی مہینوں میں روزے (یا برت) رکھتے ہیں، جس میں کوئی موسمی تبدیلی نہیں آتی۔ ہمیشہ ایک سا گرم یا سرد موسم رہتا ہے، لیکن اسلام نے قمری حساب سے رمضان کے مہینے میں روزے رکھنے کا حکم دیا، جو کبھی گرم موسم میں آتا ہے، کبھی سردی میں، کبھی خزاں میں، کبھی بہار میں۔ اس طرح موسم کی تبدیلی کے ساتھ اس کی سختی اور نرمی بدلتی رہتی ہے۔

⊙...... ہندوستان کے جینی ایک ایک ہفتے کا روزہ رکھتے تھے۔ یعنی پورا ایک ہفتہ نہ کچھ کھاتے تھے نہ پیتے تھے۔ عرب کے عیسائی راہبوں کا روزہ بھی کئی کئی دن کا ہوتا تھا۔ یہودیوں کا روزہ چوبیس گھنٹے یعنی پورے ایک دن اور ایک رات کا۔ لیکن اسلام نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ صبح کو روزہ رکھو اور شام کو افطار کر دو۔

﴿ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ [البقرة:١٨٧]

"رات تک روزہ ختم کر دو۔"

⊙......بعض مذاہب میں چالیس چالیس دن کا اس طرح کا روزہ تھا کہ روزے کی حالت میں غلہ یعنی گندم، جو اور چنے وغیرہ کی بنی ہوئی چیز نہیں کھانی، نہ گوشت کھانا ہے۔ صرف پھل کھانے کی اجازت ہے۔ اسلام نے روزے کی حالت میں اگرچہ ہر چیز کھانے سے روک دیا، لیکن اس کی مدت صرف ایک مہینا مقرر کی، وہ بھی دن کے چند گھنٹوں کی، طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک۔ اس کے بعد جو حلال چیز دل چاہے کھاؤ اور پیو۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾

[البقرة:١٨٥]

"اللہ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی نہیں کرنا چاہتا۔"

⊙...... یہودیوں کا روزہ یہ تھا کہ جو کچھ کھانا ہوتا روزہ کھولتے وقت کھا لیتے۔ دوسری دفعہ کھانا یا پینا ان کے نزدیک ممنوع تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ایک روزہ کھولنے کے بعد فوراً بعد ان کا دوسرا روزہ شروع ہو جاتا تھا۔

عرب کے لوگوں کا معاملہ یہ تھا کہ سونے سے پہلے جو کھا لیا سو کھا لیا۔ سونے کے بعد ان کے ہاں کھانا جائز نہ تھا۔ شروع شروع میں اسلام میں بھی یہی سلسلہ جاری رہا۔ صحابہ رمضان کا روزہ رکھتے، پھر شام کو افطار کرتے، پھر جب تک جاگتے رہتے، ضرورت کے مطابق کھا پی لیتے۔ اگر کوئی شخص سو گیا، بے شک چند ثانیوں کے بعد جاگ اٹھا، مگر کچھ کھا پی نہیں سکتا تھا۔ چناں چہ ایک صحابی شام کے وقت گھر آئے۔ رمضان کا مہینا تھا اور ان کا روزہ تھا۔ کھانا ابھی تیار نہیں ہوا تھا۔ بیوی کھانا پکانے لگی تو وہ سو گئے۔ اب کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ دوسرے دن پھر روزہ تھا۔ بھوک کی وجہ سے ان پر بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس پر یہ آیت اتری۔

﴿ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ [البقرة:١٨٧]

"کھاتے پیتے رہو، یہاں تک کہ رات کی کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے۔"

روزے کا اصل مقصد "تقویٰ" ہے۔ قرآن کے الفاظ میں

﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ [البقرة:١٨٣]

"تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو۔"

تقویٰ دل کی ایک خاص کیفیت سے تعبیر ہے۔ جب یہ کیفیت انسان کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو وہ گناہوں سے دور ہٹ جاتا ہے اور گناہ سے اس کو نفرت ہونے لگتی ہے۔ اس کا رجحان امورِ خیر کی طرف ہو جاتا ہے اور نیک عمل کے لیے اس کے دل میں ایک خاص قسم

کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔ شہوانی اور بہیمی قوتیں ختم ہوجاتی ہیں اور ملکوتی اثرات اس کے قلب وروح میں سرایت کر جاتے ہیں۔ وہ ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تابع فرمان ہوجاتا ہے۔ نیکی کی طرف دوڑتا اور گناہ سے دامن کشاں رہتا ہے۔ روزے سے انسان کے دل میں پوری طرح یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی کیفیت کا نام تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ جو شخص اس کیفیت سے بہرہ مند ہوگیا اسے متقی اور پرہیز گار کہا جاتا ہے۔

بارگاہِ الٰہی میں روزے کو تقوے کی اصل بنیاد اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاموش اور مخفی عبادت ہے جو ہر قسم کی ریا اور ہر نوع کی نمائش سے پاک ہے۔ روزے دار جب تک خود کسی کو نہ بتائے، اس کا پتا نہیں چل سکتا۔ اسے ہم اخلاص بھی کہہ سکتے ہیں اور بے ریائی کا بہت بڑا عنصر بھی قرار دے سکتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا کہ روزے دار محض میری رضا کے حصول کے لیے کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ ۔

''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔''

جزا تو ہر کام کی اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے، لیکن روزے کی عظمت اور بڑائی کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی جزا کو اس نے خود اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

لوگوں کی سہولت کے لیے سال بھر میں صرف ایک مہینے کے روزے فرض قرار دیے گئے، جسے قرآن ﴿ ایاما معدودات ﴾ کے خوب صورت الفاظ میں بیان فرماتا ہے یعنی گنتی کے چند روز۔

خوش قسمت اور عالی بخت ہیں وہ لوگ جو اس مہینے میں روزے رکھتے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے، تراویح پڑھتے، اس کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے اور اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔



اہم اعلان

قارئین کرام کے علم میں یہ بات ہے کہ گزشتہ ایام میں **مولانا محمد اسحاق بھٹی** حفظہ اللہ حرمین کی زیارت اور کویت کے سفر سے واپس تشریف لائے۔

اس سفر کے مشاہدات وتاثرات پر مشتمل مولانا بھٹی کا سفر نامہ بہ عنوان **''زیارت حرمین اور سفر کویت''** آئندہ شمارے سے شامل اشاعت ہوگا، ان شاء اللہ

اعلان:

صوبہ سرحد کے ایک کثیر الاشاعت دینی ماہنامے کو ملک کے تمام شہروں/ اضلاع سے معاشی طور پر مستحکم، دینی مزاج اور سماجی اثر ورسوخ کے حامل ایسے نمائندگان اور نیوز ایجنٹ درکار ہیں جو دینی صحافت میں نمایاں مقام حاصل کرنے کے لیے پر عزم ہوں۔ [رابطہ: 0313-7789997]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشاعتِ دین کا عظیم مرکز

ادارہ تبلیغ اسلام

جام پور

تعاون کی خصوصی اپیل

تعارف

ادارہ ہذا ملک بھر میں منفرد ادارہ ہے جس کی طرف سے بڑے پیمانے پر دینی لٹریچر چھپوا کر مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ مختلف مسائل پر ۳۴۷ سلسلہ ہائے تبلیغ شائع کر کے لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیے جا چکے ہیں۔ دیگر اداروں سے حاصل کر کے تقسیم کیا گیا لٹریچر اس کے علاوہ ہے موجودہ دور میں دینی و اصلاحی لٹریچر کی اشاعت اور مفت تقسیم صدقہ جاریہ و عظیم جہاد ہے راہ حق سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ ہدایت پر لانے کیلئے تبلیغ کا یہ موثر ذریعہ ہے۔

تبلیغی پروگرام

ادارہ کی زیر سرپرستی جام پور میں عظیم الشان سالانہ اہلحدیث کانفرنس ہر سال باقاعدگی سے منعقد کی جاتی ہے جس میں ملک کے معروف علماء کرام تشریف لا کر اپنے مواعظہ حسنہ سے عوام کو مستفید فرماتے ہیں دور و نزدیک ہزاروں لوگ کانفرنس میں شرکت کرتے ہیں مبلغین کے اخراجات بھی ادارہ برداشت کرتا ہے۔

جامعہ محمدیہ

ادارہ ہذا کے زیر اہتمام علاقہ کی مصروف درسگاہ جامعہ محمدیہ اہلحدیث بھی قائم ہے جس میں زیر تعلیم یافتہ اقامتی و مقامی طلباء کے تمام تعلیمی اخراجات ادارہ برداشت کرتا ہے اقامتی طلباء کے طعام، علاج، کپڑے و ماہانہ وظائف کا بھی انتظام ادارہ کی طرف سے کیا جاتا ہے طالبات کیلئے دینی تعلیم کا الگ معقول انتظام ہے۔

غریب فنڈ

ادارہ کے زیر اہتمام غریب فنڈ بھی قائم ہے جس میں وصول شدہ عطیات سے نادار اور غریب طلباء و عوام کی مالی اعانت کی جاتی ہے غریب اور مستحق مریضوں کے علاج معالجہ کیلئے بھی تعاون کیا جاتا ہے۔

خصوصی اپیل

کمر توڑ مہنگائی کے موجودہ دور میں دین کی اشاعت و فروغ تعلیم اسلام کا مشن جاری رکھنا کس قدر مشکل کام ہے احباب کو اس کا اچھی طرح ادراک ہے۔ تمام مخیّر و صاحب ثروت احباب سے پرزور اپیل ہے کہ رمضان المبارک میں خصوصی طور پر اور دیگر ایام میں زکوٰۃ، عشر، فطرانہ و دیگر عطیات مد سے ادارہ کی مالی سرپرستی فرمائیں تاکہ دین حقہ کی اشاعت کا یہ کام یکسوئی کے ساتھ جاری رکھا جا سکے یقیناً آپ کا یہ تعاون صدقہ جاریہ ثابت ہوگا۔

بذریعہ بینک: اکاؤنٹ نمبر 1107-00166008-3، حبیب بینک آف جام پور، بنام ادارہ تبلیغ اسلام جام پور

ناشر: محمد یسین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام اہلحدیث جام پور ضلع راجن پور پاکستان

0604-567218
0333-8556473

معہد اللغۃ العربیۃ اسلام آباد کی مدد کیجئے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے یہ ادارہ ممتاز ماہر تعلیم مولانا محمد بشیر کی زیر نگرانی 1983ء سے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں کرائے کی عمارتوں میں کام کر رہا ہے، اور اب تک جڑواں شہروں، جماعت اہلحدیث کی سطح پر نیز ملکی وقومی سطح پر عظیم اور مثالی خدمات انجام دے رہا ہے، اور اب موجودہ مہنگائی کے باعث سخت مالی مشکلات سے دوچار ہے۔ اب ہماری ضروریات میں (۱) غریب طلبہ وطالبات کی کفالت (۲) ادارے کی عمارت کیلئے مناسب پلاٹ کا حصول (۳) اور عمارت کی تعمیر کے اخراجات شامل ہیں۔ اسلئے ہم اس اہم جماعتی اور ملکی وقومی منصوبے میں تمام اہل خیر سے زکوٰۃ فنڈ، عشر، صدقات وعطیات سے تعاون کی درخواست کرتے ہیں۔

ہماری نمایاں خدمات کی ایک جھلک

۱- ملک میں تعلیم قرآن کریم کے جامع اور زیادہ مؤثر اسلوب کا تعارف

۲- ملک کی تاریخ میں پہلی بار عربی کو آسان، دلچسپ اور زندہ وترقی یافتہ زبان کے طور پر پیش کرنے کا اعزاز

۳- علم صَرف ونحو کو آسان اور شیریں اسلوب میں پیش کرنے کا اعزاز

۴- شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ کبریٰ کا اردو ترجمہ شروع کرنے کا اعزاز (جلد 19 اور 20 کا ترجمہ زیر طبع ہے)

۵- خلافت راشدہ کے مثالی کارناموں پر جامع کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مؤلفہ محدث شاہ ولی اللہ دہلوی کا فارسی سے عربی ترجمہ (تاکہ پورا عالم اسلام اس سے استفادہ کرے)۔ بیرون ملک زیر طبع ہے۔

۶- وطن عزیز کے اسلامی مدارس کی ترقی اور جدید تشکیل کے منصوبے پر کام جاری ہے۔

رابطے اور ترسیل زر کا پتہ: انسٹیٹیوٹ آف عریبک لینگوایج، اکاؤنٹ نمبر 1-2523، الائیڈ بینک آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد

مولانا محمد بشیر پرنسپل معہد اللغۃ العربیۃ، بلاک 105، سٹریٹ 32، آئی اینڈ ٹی سینٹر، G-9/1، اسلام آباد، فون 051-2253733

اسلامی علوم اور عربی زبان کی معیاری تعلیم وترویج کیلئے دار العلم کی نئی مطبوعات

۱- اساتذہ کی راہنمائی اور ترقی کیلئے مرشد المعلم teacher's guide کی اشاعت شروع ہے

مرشد المعلم اقرأ اول، قیمت: 20روپے ○ مرشد المعلم اقرأ ثانی، قیمت: 20روپے

۲- طلبہ وطالبات اور عام قارئین کی راہنمائی کیلئے دلیل الطالب student's guide

دلیل الطالب اقرأ حصہ دوم، قیمت: 16روپے ○ دلیل الطالب اقرأ حصہ سوم، قیمت: 30روپے

دلیل الطالب اقرأ حصہ چہارم، قیمت: 20روپے

۳- اسلامی درسگاہوں کے ماحول میں عربی بول چال کے فروغ کی گائیڈ

كلمات مُستَعْمَلة في بِيئَة مدرسيَّة للبنات قیمت: 25روپے

كلمات مُستَعْمَلة في بِيئَة مدرسيَّة للبنين قیمت: 25روپے

دار العلم

699- آبپارہ مارکیٹ، اسلام آباد، فون: 2253733, 2875371

رزق ....حصول کے ذرائع

ابوعمار عبدالرحمن بلتستانی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴾

[ھود:٦]

''زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ پر ہیں وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے اور ان کے سونپے جانے کی جگہ کو بھی سب کچھ واضح کتاب میں موجود ہے۔''

یعنی زمین پر چلنے والی ہر مخلوق انسان ہو یا جن، چرند ہو یا پرند، چھوٹی ہو یا بڑی سب کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔

آج کل پوری دنیا مہنگائی کی وجہ سے پریشان ہے اور شور بپا ہے۔ ہر روز اخبارات میں کوئی نہ کوئی نئی خبر چھپتی ہے کہ فلاں نے مہنگائی کی وجہ سے خودکشی کرلی، فلاں نے مہنگائی کی وجہ سے اپنے بچے قتل کر دیئے، فلاں اپنے بچے بیچنے کے لیے بازار میں لے آیا۔ یہ سب حرکتیں بالکل غلط ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴾

[الاسرآء:٣١]

''اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولادوں کو نہ مار ڈالو ان کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں یقیناً ان کا قتل کرنا کبیرہ گناہ ہے۔''

حدیث میں منقول ہے کہ نبی ﷺ نے شرک کے بعد جس گناہ کو سب سے بڑا اقرار دیا وہ یہی ہے کہ اپنی اولادوں کو رزق کے خوف سے قتل کردو۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا

" اَيُّ ذَنْبٍ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ؟ قَالَ أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ۔ قُلْتُ ...... ثُمَّ اَيُّ قَالَ: وَأَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ تَخَافُ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ ...... "

[بخاری:٤٤٧٧]

''اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ۔ حالاں کہ اس نے تم کو پیدا کیا پھر پوچھا گیا اس کے بعد کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کردے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔''

آج کل قتل اولاد کا گناہِ عظیم نہایت منظّم طریقے سے خاندانی منصوبہ بندی کے حسین عنوانات سے پوری دنیا میں پھیلایا جارہا ہے۔ اللہ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھیں۔ آمین

اس طرح نہ مہنگائی دور ہوگی نہ پریشانی اور نہ ہی آپ کو کہیں سے رزق ملے گا۔ بلکہ ہمیں اس طرح کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف لوٹنا پڑے گا۔ تب ہی یہ مسائل حل ہوں گے۔ رزق کے انتظام کے بعض وہ ظاہری طریقے اور اسباب ہیں جنھیں عموماً ہم لوگ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن وہ باطنی یا روحانی اسباب جو درحقیقت رزق کی فراوانی یا تنگی کا سبب ہوا کرتے ہیں ان میں سے بعض ذیل میں ذکر کیے جارہے ہیں:

(ا)......تقویٰ اختیار کرنا:

قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ

حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾

[الطلاق:۲،۳]

''جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا اللہ اسے کافی ہوگا۔''

(۲)......استغفار اور توبہ:

نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کے سامنے دعوت توحید پیش کی تو اس کے اخروی فوائد کے علاوہ دنیوی فوائد کچھ اس انداز میں بتائے:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ط اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا o يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا o وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴾

[نوح:۱۰،۱۲]

''پس میں نے کہا اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی طلب کرو۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ آسمان سے تم پر موسلا دھار مینہ برسائے گا۔ اور تمہارے مالوں اور اولاد میں اضافہ کرے گا اور تمہارے لیے باغ اور نہریں بنائے گا۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ﴾ [ھود:۳]

''اور یہ کہ تم اپنے رب سے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ گناہ کرنے سے توبہ کرو۔ وہ تم کو ایک مدت معین (یعنی موت) تک اچھا سامان زندگی دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا اور اگر تم لوگ اعراض کرتے رہے تو مجھ کو تمہارے لیے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔''

(۳)......اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ط وَ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ [سبا:۳۹]

''تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ اس کا پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔''

حدیث میں مذکور ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

'' يَا ابْنَ آدَمَ اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَيْكَ ۔''

[مسلم:۹۹۳]

''اے ابن آدم! تو خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔''

دوسری جگہ منقول ہے:

'' اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ اِلَّا وَمَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا ويقول الآخر اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا ۔'' [مسلم:۱۰۱۰]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دن جس میں لوگ صبح کرتے ہیں دو فرشتے اترتے ہیں ایک ان میں سے دعا کرتے ہوئے کہتا ہے اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بہتر بدل عطا فرما اور دوسرا التجا کرتا ہے اے اللہ! جو خرچ نہ کرے اس کا مال تلف فرما۔''

(۴)......اللہ پر توکل:

﴿وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾

[الطلاق:۳]

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھے وہ اس کو کافی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا»

[فتح الباری: ۱۱/۳۰۶۔ ترمذی: ۲۳۴۴]

''اگر تم اللہ تعالیٰ پر کما حقہ توکل کرو تو وہ تمھیں اس طرح رزق عطا فرمائے جس طرح پرندوں کو رزق عطا فرماتا ہے کہ وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں شام کو پیٹ بھر کر واپس پلٹتے ہیں۔''

(۵)......رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے:

«مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُبْسَطَ فِيْ رِزْقِهٖ، وَاَنْ يُنْسَاَلَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ» [بخاری: ۲۰۶۷]

''جو شخص اپنے رزق میں کشادگی اور عمر میں اضافہ پسند کرے تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

ان قرآنی آیات اور احادیث رسول کو پڑھ کر ہمیں غور کرنا چاہیے کہ ہماری پریشانی کا حل کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو ایمان کے ساتھ صحیح وسالم رکھے اور ہمیں حلال رزق کمانے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو رزق دیا اس میں برکت عطا فرمائے اور نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعین۔



خطیب کے ضرورت مند رابطہ کریں!

رمضان المبارک کے فوراً بعد کسی اہل حدیث مسجد یا مدرسہ میں امامت وخطابت کے لیے ۱۵ سالہ تجربے کار خطیب کے ضرورت مند احباب رابطہ کریں۔ خطیب صاحب حافظ قرآن بھی ہیں۔

[حافظ عبدالجبار C/o عامر مقبول کریانہ سٹور اڈا غازی آباد، تحصیل چیچہ وطنی ضلع ساہیوال 0301-7983902]

بزرگانِ اسلام کے لیے دعاؤں کی درخواست

① ......شیخ الحدیث مولانا بنیامین طور حفظہ اللہ (جھوک دادوطور) ان دنوں علیل ہیں۔ احباب جماعت وقارئین الاعتصام سے موصوف کی صحت کاملہ وعاجلہ کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔

② ......مفکر اسلام حضرت مولانا معین الدین لکھوی حفظہ اللہ اور بقیۃ السلف حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی حفظہ اللہ بھی ان دنوں علیل ہیں۔ احباب سے تمام علیل بزرگوں کی صحت وتندرستی کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔

③ ......مولانا عامر صدیق صاحب کھیالی بائی پاس گوجراں والا ۲۷ جولائی ۲۰۰۸ء کو علالت کے بعد وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون...... احباب مرحوم کی بلندیٔ درجات کے لیے دعا فرمائیں۔ [ابوالاحتشام حمزہ طور، گوجراں والا]

ضرورتِ قاری

لاہور میں مقامی بچوں کے حفظ وناظرہ قرآن تعلیم کے لیے پختہ منزل یاد اور محنتی قاری یا حافظ قرآن معلم کی ضرورت ہے۔ فوری رابطہ کریں۔ پانچ وقت نماز کی امامت کے فرائض بھی ادا کرنا ہوں گے۔ [فون: 0300-8051043]

رخصت کے بعد

اوریا مقبول جان

رخصتی کا عالم بھی عجیب ہوتا ہے۔خواہ کسی کو مکان یا محل چھوڑ کر جانا پڑے،کسی مرتبے یا مقام سے ہٹنا ہو یا اس عالم سے دوسرے عالم کی جانب کوچ کرنا ہو۔ وہ جن کے دامن میں خیر، بھلائی، نیکی، رواداری،حسن سلوک اور انسانوں پر رحم وفلاح کی سوغاتیں بھری ہوتی ہیں وہ دامن جھاڑ کر مسکراتے ہوئے اس عالم رخصت سے یوں گزرتے ہیں کہ خلقت آنسوؤں، آہوں،سسکیوں سے انھیں رخصت ہوتے دیکھتی ہے تو دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھا دیتی ہے،سجدے میں پڑ جاتی ہے۔اس کی ہچکیاں نہیں رکتیں۔مدتوں ان کے جانے کے بعد ان پر ایک عالم یاس طاری رہتا ہے۔کسی قیمتی متاع کے کھو جانے کا احساس ان کی آنکھوں کو ہر لمحہ اشکبار رکھتا ہے۔

دوسری جانب ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کے حصے میں ظلم، جبر، نا انصافی، نامہربانی، بدخلقی اور خلق خدا سے بدسلوکی آتی ہے۔جن کے دامن میں نہ لوگوں کی دعائیں ہوتی ہیں اور نہ ہی نیک اعمال کی خوشبو تو ان کے جانے کا منظر بھی عبرت ناک ہوتا ہے۔لوگ ان کے جلد سے جلد رخصت ہونے کی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ وہ بستر مرگ پر ہوں، ان کی مرض الموت میں طوالت آجائے تو دعائیں بھی عجیب سی ہوجاتی ہیں، اللہ اس کی مشکل آسان کردے۔ایسے لوگوں پر جب اس عالم سے رخصت کا وقت آتا ہے تو انھیں اپنی کل متاع چھن جانے کا رنج بے چین کردیتا ہے۔انھیں رہ رہ کر یہ خیال ستانے لگتا ہے کہ ابھی تو انھوں نے بہت سے کام کرنے تھے۔ابھی تو کتنے پراجیکٹ پر کام کا آغاز ہی ہوسکا تھا۔ وہ تو ان کے ذہن کے گوشوں میں تکمیل کی خواہش لیے ہوئے تھے۔ پھر یہ سوچ سوچ کر ان کی راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے کہ ان کے بعد آنے والے ان کی اس بنی بنائی سلطنت کو تباہ وبرباد کردیں گے۔ان کے جانشین نا اہل ہیں۔پھر وہ چپ چاپ اس خوف کو سینے میں لیے حسرت سے پھیلی ڈبڈبائی آنکھوں سے رخصت ہوجاتے ہیں۔ چند لمحے سوگ یا سناٹا اور پھر دنیا اپنے کاموں میں مگن ہوجاتی ہے۔

اقتدار کی رخصتی ہو یا دنیا سے رخصتی دونوں انسانوں کے اعمال کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ ظالموں، آمروں، جابروں اور فرعونوں کے جانے کا منظر بھی آج کی موجودہ تاریخ کے صفحات پر موجود ہے اور وہ جو لوگوں کے دلوں میں زندہ تھے، ان کی دھڑکنوں میں بستے تھے ان کا وقت رخصت بھی تاریخ کے صفحات پر روشن ہے۔ ایک زمانہ تھا جب بادشاہ صرف مرتے یا مارے جاتے تھے۔فرعون غرق ہوتے یا قتل۔ لیکن زمانہ بدلا، وقت نے کروٹ لی، عوام کے غیض وغضب سے بھرے ہجوم نکلنے لگے اور اب حکمران ڈوبتے دل اور ٹوٹتی امیدوں کے ساتھ رخصت بھی ہونے لگے۔کوئی تہران کے مہرآباد ائیرپورٹ سے جہاز پر سوار ہوا تو آنسو چھپانے کے لیے چہرہ بار بار موڑتا رہا، ہاتھ ملاتا تو کپکپاہٹ پر قابو نہ پاسکتا۔ جہاز اڑا تو نیچے تہران شہر میں لاکھوں کا ہجوم اس کے جانے پر خوشی سے ناچ رہا تھا۔کوئی فلپائن کے منیلا ائیرپورٹ سے نکلا تو لوگوں نے ایئرپورٹ کو گھیرا ہوا تھا کہ اندر داخل ہوں اور جہاز کے سامنے بند باندھ کر اس کو روک لیں۔ جہاز کی پرواز کے ساتھ میٹرو منیلا، حکائی اور پاسگ کے علاقے جشن کا سماں پیش کررہے تھے۔ ادھر جہاز کا پائلٹ بتاتا ہے کہ وہ اپنی کرسی کی کھڑکی سے چہرہ لگائے نیچے ہجوم کو دیکھ رہا تھا اور آنسو اس کی آنکھوں سے

رواں تھے۔

لیکن ایسے بھی لوگ تھے جب انھوں نے ایوانِ اقتدار سے رخصت ہونے کا فیصلہ کیا تو چیخیں مارتا ہوا ہجوم ان کے پاؤں پڑ گیا۔ منتوں اور زاریوں سے انھیں روکنے لگا۔ پچیس سال تک لوگوں کے ووٹوں سے اقتدار کے ایوانوں تک پہنچنے والا ملائیشیا کا مہاتیر محمد جس نے اس پس ماندہ ملک پر خوش حالی کے دروازے کھولے، جب اس نے خود ہی اقتدار کی راہداریاں چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو شہروں کے منظر دیدنی تھے۔ آنکھوں کے آنسو اور دلوں سے نکلتے مطالبے پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ تم ہماری ضرورت ہو، تم رک جاؤ۔ فرانس کے ڈیگال نے جب اقتدار کے محل کو خیر باد کہنے کا فیصلہ کیا تو پیرس کی گلیوں پر ہجوم امڈ پڑا، اس کے صدارتی محل کے گرد لوگ رات بھر جاگتے رہے۔ کون تھا جو یہ نہ سمجھتا ہو کہ فرانس ڈیگال سے ہے اور ڈیگال فرانس سے ہے۔

لیکن رخصتی کے بعد ایک دوسرا عالم بھی قوموں پر گزرتا ہے۔ لوگوں کو کسی آمر، ڈکٹیٹر یا جابر کی شکل سے نفرت نہیں ہوتی، اسے اس کی طرزِ زندگی، بولنے کے انداز یا بودوباش سے چڑ نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس کے افعال سے، اس کی پالیسیوں سے، اس کے جبر سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی طرح جن راہنماؤں سے وہ محبت کرتے ہیں اس کی وجہ بھی ان کی خوب صورتی، خوش پوشی یا رہن سہن اور تقریر نہیں بلکہ ان کی لوگوں سے محبت، ان کا کردار اور ان کی پالیسیاں ہوتی ہیں۔ جس سے نفرت ہوتی ہے اس کے رنگ ڈھنگ سے بھی نفرت کرنے لگتے ہیں اور جس سے محبت ہوتی ہے اس کے لباس اور پہناوے کو بھی مقبولیت کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔

اسی لیے رخصتی کے بعد لوگوں کے دلوں میں صرف ایک خواہش جاگتی ہے۔ آنے والا، اس کی جگہ لینے والا، اس صدارتی محل کا مکین اس شخص سے بالکل مختلف ہو جس سے وہ نفرت کرتے تھے اور اسی طرح چلے جس سے وہ محبت کرتے ہیں۔ جس کے جانے پر وہ خوشیاں مناتے ہیں، جشن برپا کرتے ہیں تو ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کا ہر نقش کھرچ کھرچ کر مٹا دیا جائے، اس کی پالیسی، اس کے اندازِ حکمرانی کی جھلک بھی آنے والے میں نظر نہ آئے۔

تاریخ ایسے بہت حیرت انگیز مناظر پیش کرتی ہے جب انھیں نئے آنے والے میں بھی کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تو ان کا گزشتہ سالوں کا غصہ اور نفرت بھی اس آنے والے کے حصے میں آجاتا ہے۔ جیمز اوّل انگلستان کا بادشاہ تھا۔ مطلق العنان لوگ اس سے تنگ تھے۔ اس سے نجات پر انھوں نے خوشیاں منائیں اور آنے والے چارلس اوّل سے امیدیں وابستہ کرلیں۔ ۱۶۲۸ء میں بادشاہ بننے والا چارلس اوّل بھی ویسا ہی ثابت ہوا۔ نہ کوئی پالیسی تبدیل ہوئی اور نہ کسی جبر وتشدد میں کمی آئی۔ یوں عوام کا گزشتہ سالوں کا غصہ جو جیمز اوّل کے خلاف تھا وہ جمع ہوتا ہوا چارلس اوّل کے حصے میں آتا گیا۔ جیمز اوّل تو لوگوں کے غیض وغضب سے بچ گیا تھا اور پرسکون طریقے سے رخصت ہوگیا تھا۔ لیکن چارلس اوّل تک پہنچتے پہنچتے غصہ اس قدر بڑھا کہ ۳۰ جنوری ۱۶۴۹ء کو ایک عوامی عدالت بیٹھی اور اسے گیلوٹین سے ذبح کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

نفرت اور غصہ بادشاہ کی گردن کاٹنے پر ختم نہ ہوا بلکہ اسی مقام پر پارلیمنٹ سے اعلان کروایا گیا کہ وہ تمام اختیارات اور پالیسیاں کالعدم ہیں جو اس دور کی پیداوار تھیں۔ نفرت سے تخت وتاج چھوڑنے والوں کے بعد آنے والے اس پرخار رستے پر چلتے ہیں کہ جس میں کاٹے جانے والے کی پالیسیاں ہوتی ہیں۔ اگر لوگوں کو ان پالیسیوں کے بدلنے کا احساس نہ ہو، تبدیلی کی ہوا محسوس نہ ہو تو وہ گزرے سالوں کا غصہ، گناہوں کی کالک اور نفرت بھی آنے والے کے حصے میں ڈال دیتے ہیں۔ پھر انجام بھی زیادہ سخت اور دردناک ہوتا ہے۔

[بہ شکریہ، روزنامہ ایکسپریس ۲۰ اگست ۲۰۰۸ء]

